خانقاہِ چشتیہ صابریہ کا اصلاحی ودعوتی ترجمان

سہ ماہی

صدائے قطبِ دکن حیدرآباد

اپریل، مئی، جون ۲۰۲۳ء

سرپرست

فرید وقت جانشین قطبِ دکن

حضرت مولانا شاہ محمد نورالحق قریشی قاسمی دامت برکاتہم

مدیر

محمد فضیل قریشی

قطبِ دکن اکیڈمی حیدرآباد

خانقاہِ چشتیہ صابریہ یوسف گوڑ، حیدرآباد

فہرست مضامین

مضامین	اسمائے محررین	صفحہ نمبر
درسِ قرآن	مولانا محمد زبیر قریشی مفتاحی	۳
درسِ حدیث	مولانا محمد ضیاء الحق قریشی مفتاحی	۵
سیرت (قسط نمبر: ۴)	حافظ محمد سفیان قریشی	۷
حیات قطب دکن (قسط نمبر: ۴)	مولانا سعید الحق صاحب قریشی	۱۲
بیعت طریقت کا مقصد؛ اصلاحِ اعمال	مولانا شاہ محمد عبدالغفور قریشی نور اللہ مرقدہٗ	۱۷
عورت کی امامت	محمد فضیل قریشی	۲۴
ماہِ شعبان کی فضیلت	مولانا یوسف صاحب قاسمی	۲۸
چند اہم مسائلِ رمضان	محمد اسید قریشی	۳۲
مسلم لڑکیوں میں بڑھتا فکری ارتداد اسباب وحل	مولانا اسعد نعمانی	۳۵
تراویح بیس رکعت یا آٹھ رکعت؟	شیخ عتیق قاسمی پورنوی	۳۹
عورتوں کا مساجد میں نماز ادا کرنا شریعت کی روشنی میں	محمد فضیل قریشی قاسمی	۵۳
احوال وکوائف جامعہ	مولانا فاروق صاحب مفتاحی	۶۲
اپنے بچوں کی عمدہ تعلیم وتربیت کے لیے		۶۴

سلسلہ وار(ماخوذ از: ہدایت القرآن)

درسِ قرآن

ازقلم:
مولانا محمد زبیر قریشی مفتاحی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

﴿لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ ۙ﴿۱﴾ اٖلٰفِہِمۡ رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیۡفِ ۚ﴿۲﴾ فَلۡیَعۡبُدُوۡا
رَبَّ ہٰذَا الۡبَیۡتِ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیۡۤ اَطۡعَمَہُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۬ۙ وَّ اٰمَنَہُمۡ مِّنۡ
خَوۡفٍ ٪﴿۴﴾﴾ (سورۂ فیل، پارہ:۳۰)

ترجمہ: قریش کے عادی ہوجانے کی وجہ سے یعنی سردی اور گرمی کے اسفار کے عادی ہوجانے کی وجہ سے (روزی دیے جاتے ہیں؛ مگر یہ ظاہری سبب ہے، حقیقی سبب اللہ کا فضل ہے) پس چاہیے کہ وہ اس گھر کے مالک کی عبادت کریں جو ان کو بھوک میں کھلاتا ہے اور خوف سے امن دیتا ہے۔

تفسیر: اِس سورت میں گھاٹے میں رہنے والوں کی دوسری مثال ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی معاشی خوش حالی پر اِتراتے ہیں اور اس کو اپنا کمال سمجھتے ہیں؛ حالانکہ وہ اللہ کا فضل ہوتا ہے۔ قریش کی مثال دی ہے؛ مگر اس سورت میں لہجہ سخت نہیں، افہام وتفہیم کا انداز ہے۔

قریش کے اسفار ان کی خوش حالی کا ظاہری سبب ہیں، وہ اِس پر نہ اِترائیں

قریش کا وطن مکہ مکرمہ تھا اور مکہ میں غلہ وغیرہ کچھ پیدا نہیں ہوتا تھا، قریش سال میں دو تجارتی اَسفار کرتے تھے، سردیوں میں یمن جاتے تھے؛ کیونکہ وہ گرم ملک تھا اور گرمیوں

میں شام جاتے تھے؛ کیونکہ وہ ٹھنڈا ملک تھا، ان تجارتی اَسفار سے وہ خوش حال تھے، پھر وہ اہلِ حرم اور خادمِ بیت اللہ تھے؛ اِس لیے سب عرب اُن کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔

اوران کی جان ومال سے کچھ تعرض نہ کرتے تھے اور چاروں طرف لُوٹ کھسوٹ کا بازار گرم تھا، قریش ان دونوں باتوں کو اپنا ہنر اور ذاتی کمال سمجھتے تھے اور یہ چیز ان کے اسلام کے لیے مانع بنی ہوئی تھی؛ چنانچہ اس سورت میں ان کو سمجھایا ہے کہ تمہارے یہ اَسفار تمہاری خوش حالی کا ظاہری سبب ہیں، حقیقی سبب کعبہ شریف کی برکت اور اللہ کا فضل ہے، وہی تمہیں بھوکا نہیں مرنے دیتے اور اسی کے فضل سے تم پورے عرب میں نڈر ہوکر گھومتے ہو، پس تمہاری خوش حالی قبولِ حق میں مانع نہیں بنی چاہیے، ایمان لاؤ اور کعبہ کے مالک کی عبادت کرو اور بتوں کو چھوڑو۔

فائدہ: ﴿رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝٣﴾ سے معلوم ہوا کہ معبود کعبہ شریف نہیں؛ بلکہ کعبہ کا مالک معبود ہے اور نماز میں کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ملّت کی شیرازہ بندی کے لیے ہے اور حج کا حکم اِس لیے ہے کہ کعبہ اَسمبلی پوائنٹ مقرر کیا گیا ہے، وہ ﴿مَثَابَةً لِّلنَّاسِ﴾ ہے، سب کو اُس مرکز سے وابستہ ہونا ہے۔

❑❖❑

درسِ حدیث

عقیدۂ ختمِ نبوت

ازقلم:
مولانا محمد ضیاء الحق قریشی مفتاحی

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَثَلِيْ وَمَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ كَمَثَلِ قَصْرٍ أُحْسِنَ بُنْيَانُهُ، تُرِكَ مِنْهُ مَوْضِعُ لَبِنَةٍ فَطَافَ بِهِ النُّظَّارُ يَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ حُسْنِ بِنَائِهِ إِلَّا مَوْضِعَ تِلْكَ اللَّبِنَةِ فَكُنْتُ أَنَا سَدَدْتُ مَوْضِعَ اللَّبِنَةِ خُتِمَ لِيَ الْبُنْيَانُ وَخُتِمَ بِيَ الرُّسُلُ... وَفِيْ رِوَايَةٍ فَأَنَا اللَّبِنَةُ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ. (رواه البخاري ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: میری اور اگلے سب پیغمبروں کی مثال ایسی ہے کہ ایک شاندار محل ہے جس کی تعمیر بڑی حسین اور خوبصورت کی گئی ہے؛ لیکن اس کی تعمیر میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی، دیکھنے والے اس محل کو ہر طرف سے گھوم پھر کے دیکھتے ہیں، انھیں اس کی تعمیر کی خوبی اور خوبصورتی بہت اچھی لگتی ہے، ان کو اس سے تعجب ہوتا ہے، سوائے اینٹ کی خالی جگہ کے (وہ اس حسین عمارت کا ایک نقص ہے...... حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ) پس مَیں نے آکر اُس خالی جگہ کو بھر دیا، میرے ذریعہ اس محل کی تکمیل اور اس کی تعمیر کا اختتام ہوگیا اور پیغمبروں کا سلسلہ بھی ختم اور مکمل ہوگیا۔

(صاحبِ ''مشکوۃ المصابیح'' محمد بن عبداللہ خطیب تبریزیؒ کہتے ہیں کہ) اِس

حدیث کی صحیحین ہی کی ایک روایت میں آخری خط کشیدہ الفاظ کی جگہ یہ الفاظ ہیں: ’’فَأَنَا اللَّبِنَةُ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ‘‘ (میں ہی وہ اینٹ ہوں جس سے اس قصرنبوت کی تکمیل ہوئی اور میں خاتم النبیّین ہوں)۔ (صحیح بخاری ومسلم)

تشریح: قرآنِ مجید میں بھی رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیّین فرمایا گیا ہے اور بہت سی حدیثوں میں بھی اور بلاشبہ یہ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا عظیم ترین انعام ہے کہ قیامت تک آپ ﷺ ہی پوری انسانی دنیا کے لیے اللہ کے نبی ورسول ہیں۔

اِس حدیث میں آپ ﷺ نے اپنی خاتمیت کی حقیقت اور نوعیت کو ایک عام فہم مثال کے ذریعہ سمجھایا ہے جو ایسی سہل الفہم ہے کہ اس کے سمجھانے کے لیے کسی توضیح وتشریح کی ضرورت نہیں، اِس حدیث نے بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے جو ہزاروں پیغمبر آئے اُن کی آمد سے گویا قصرنبوت کی تعمیر ہوتی رہی اور تکمیل کو پہنچ گئی تھی، بس ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی تھی، رسول اللہ ﷺ کی بعثت وآمد سے وہ بھی بھر گئی، اور قصرنبوت بالکل مکمل ہوگیا، کسی نئے نبی ورسول کے آنے کی نہ ضرورت رہی نہ گنجائش؛ اِس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت ورسالت کا سلسلہ ختم اور دروازہ بند کردیا گیا اور رسول اللہ ﷺ کے ’’خاتم النبیّین‘‘ ہونے کا اعلان فرمادیا گیا۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم

❑❖❑

قسط نمبر (۴)

سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گوناگوں خصوصیات

ازقلم:
حافظ محمد سفیان قریشی

بعثت کے وقت عالم کی حالت:

یہ یادرکھنا چاہیے کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ عالم کے لیے مبعوث ہوئے یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام عالم پر جہالت کی تاریکی چھارہی تھی، وحشت ودرندگی کا دنیا پر تسلط تھا، انسانیت، تہذیب، اخلاق کے نام شاید کتابوں میں نظر آسکتے تھے؛ مگر دلوں پر کوئی اثر نہ تھا۔

الف: بنی اسرائیل تو مسیح علیہ السلام سے بھی پہلے سانپ اور سانپ کے بچے کہلانے کے مستحق ٹھہر چکے تھے، اب مسیح علیہ السلام کی لعنت سے ظاہری شکل وصورت کے سوا ان میں آدمیت کا ذرا بھی نشان باقی نہ رہا تھا اور ہمسایہ قوموں کے اثر سے ان میں بُت پرستی قائم ہو چکی تھی۔

ب: یورپ میں جہالت ووحشت کا دَوردَورہ تھا، انگلستان میں برٹن اور سیکسن وحشی قومیں آباد تھیں۔

نارتھمبرلینڈ، مڈلینڈ، کون ٹیز، نارفوک، ماسکیس، (اضلاع انگلستان) درڈن بُت کی پرستش ہوتی ہے۔فرانس، برن، ہلڈ، سگ فرٹ، فرے ڈی گوٹن، مل ہے رک، نصف پر افسانہ زمانہ میں تھا، جب کہ پادریوں کے ایماء سے بہت سی بے ہودگیاں رَوا رکھی جاتی تھیں۔

فرانس ہمیشہ سیکسن قوم سے دریائے الب پر معرکہ آراء رہتا تھا، یہ لڑائی ۸۲ے ء کے بعد تک جاری رہی جب کہ ساڑھے چار ہزار سیکسن قیدی نہایت بے رحمی سے شہرورڈون میں ہلاک کیے گئے۔ ہنگری ان دنوں انتہا درجہ کی وحشی قوم اور ناشائستہ آوارہ قوم کے

ہاتھوں میں تھا جس کو وحشیانہ اور ظالمانہ وسائل سے اپنے مذہب میں لایا گیا تھا۔

ج: ایران پر مزدکیہ کا زور تھا، جنھوں نے زن، زر، زمین کے وقف عام کردینے سے اخلاق وانسانی ترقیات کو ملیامیٹ کردیا۔

د: ہندوستان میں پُرانوں کا زمانہ شروع ہوگیا تھا اور بام مارگی فرقہ قابو یافتہ تھا، وہ اپنے گندے اُصولوں کی طرف بندگانِ اللہ کی راہبری کرتے تھے، مندروں میں زن ومرد کی برہنگی کی مثالیں بناکر رکھی جاتی تھیں اور انہی کی پرستش کی جاتی تھی۔عبادت خانوں کی درو دیوار پر ایسی سراپا فحش تصویریں کندہ کی جاتی تھیں جن کے تصور سے ایک مہذب شخص کو نفرت آنی چاہیے۔

ھ: چین کے باشندوں نے اپنے ملک کو آسمانی فرزندگی بادشاہت سمجھ کر اللہ سے منہ موڑ لیا تھا، ہر کام کے بُت جدا جدا مقرر تھے، کوئی بارش کا، کوئی اولاد کا، کوئی جنگ کا، کوئی امن کا اور ہر ایک بُت کو سزا دینا بھی بادشاہ ہی کے اختیار میں تھا۔
کانفیوشس کو چین کا مصلح سمجھا جاتا ہے؛ لیکن اس وقت تک اس کا ظہور نہ ہوا تھا۔

و: مصر میں عیسائیت زوروں پر تھی، مسیح علیہ السلام کی شخصیت اور ابنیت کی تعریف وتحدید، توحد وتفریق کے متعلق روز روز نئے نئے اعتقادات پیدا ہوتے، نئے نئے فرقے بنتے تھے، ایک فرقہ دوسرے فرقہ کی تکفیر کرتا، اپنے مخالف کو قتل کرنے اور آگ میں جلانے سے بھی دریغ نہ کرتا تھا۔

یہ مختصر حالت ان ممالک کی ہے جو زبردست حکومتوں اور شریعتوں کے زیر اثر تھے اور جن میں سے ہر ایک کو بجائے خود علم وتہذیب کے بڑے بڑے دعوے تھے۔

ز: عرب کا قیاس انہی ممالک پر کرلیجیے اور قیاس کرتے ہوئے یہ بھی ملحوظ رکھیے کہ یہ ایسا ملک تھا کہ جہاں صدیوں سے نہ کسی بادشاہ کا تسلط ہوا تھا، نہ کوئی اثر قانون نے ڈالا تھا، نہ کوئی ہادی ان کی ہدایت کے لیے پہنچا تھا۔اس حیوانی آزادی پر بے علمی، جہالت اور اقوامِ متمدنہ سے علیٰحدگی اور اجنبیت نے ان کی حالت کو اور بھی زیادہ تباہ

کردیا تھا، اس بدترین حالت ہی نے ان کو زیادہ واجب الرحم ٹھہرایا اور رب العالمین نے اصلاحِ عالم کا آغاز اسی جگہ سے ہونا پسند فرمایا۔

نبی ﷺ نے حکمِ ربانی کے موافق تبلیغ عام کا کام شروع فرمادیا،قریبی رشتہ داروں کو سمجھانے کا حکم قرآن میں خصوصیت سے تھا﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (الشعراء:۲۱۴)

اپنے کنبہ میں تبلیغ:

نبی ﷺ نے ایک روز سب کو کھانے پر جمع کیا، یہ سب بنی ہاشم ہی تھے،ان کی تعداد چالیس یا ایک کم، زیادہ تھی، اس روز ابولہب کی بکواس کی وجہ سے نبی ﷺ کو کلام کرنے کا موقع ہی نہ ملا؛ اِس لیے دوسری شب پھر انہی کی دعوت کی گئی، جب سب کھانا کھاکے، دودھ پی کے فارغ ہوگئے،تب نبی ﷺ نے فرمایا۔

اپنے گھرانے کے لوگوں میں آنحضرت ﷺ کی تقریر:

اے حاضرین! مَیں تم سب کے لیے دنیا اور آخرت کی بہبود کے لے کر آیا ہوں اور مَیں نہیں جانتا کہ عرب بھر میں کوئی شخص بھی اپنی قوم کے لیے اس سے بہتر اور افضل کوئی شے لایا ہو، مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مَیں آپ لوگوں کو اس کی دعوت دُوں، بتاؤ! تم میں سے کون میرا ساتھ دے گا؟

یہ سن کے سب کے سب چُپ رہ گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُٹھ کر کہا: یا رسول اللہ! مَیں حاضر ہوں۔ نبی ﷺ نے ابوطالب سے کہا تم اس کی بات مانا کرو اور جو کہا کرے سُنا کرو، یہ فقرہ سُن کر مجمع خوب کھلکھلا کر ہنسا اور ابوطالب سے تمسخر کرنے لگا، دیکھو! محمد ﷺ نے تمہیں کہہ دیا ہے کہ آج سے تم اپنے فرزند کا حکم مانا کرو۔

پہاڑی کا وعظ اور اہلِ مکہ کو تبلیغ:

ایک روز نبی ﷺ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر لوگوں کو پکارنا شروع کیا، جب سب جمع

ہو گئے تو نبی ﷺ نے فرمایا: تم مجھے بتاؤ کہ تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا جانتے ہو؟

سب نے ایک آواز سے کہا: ہم نے کوئی بات غلط یا بے ہودہ آپ کے منہ سے نہیں سنی، ہم یقین کرتے ہیں کہ آپ صادق اور امین ہیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا: دیکھو! مَیں پہاڑی کی چوٹی پر کھڑا ہوں اور تم اس کے نیچے ہو، مَیں پہاڑ کے ادھر بھی دیکھ رہا ہوں اور ادھر بھی نظر کر رہا ہوں، اچھا اگر مَیں کہوں کہ رہزنوں کا ایک مسلح گروہ دُور سے نظر آ رہا ہے، جو مکہ پر حملہ آور ہوگا، کیا تم اس کا یقین کرلو گے؟

لوگوں نے کہا: بے شک! کیوں کہ ہمارے پاس آپ جیسے راست باز آدمی کے جھٹلانے کی کوئی وجہ نہیں، خصوصاً جب کہ ایسے بلند مقام پر کھڑے ہوں کہ دونوں طرف دیکھ رہے ہوں۔

نبی ﷺ نے فرمایا: یہ سب کچھ سمجھانے کے لیے ایک مثال تھی، اب یہ یقین کرلو کہ موت تمہارے سر پر آ رہی ہے اور تمہیں اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور مَیں عالمِ آخرت کو بھی ایسا ہی دیکھ رہا ہوں، جیسے دنیا پر تمہاری نظر ہے۔

اس دل نشین وعظ سے مطلب نبی ﷺ کا یہ تھا کہ نبوت کے لیے ایک مثال پیش کریں، کہ کس طرح ایک شخص عالمِ آخرت کو دیکھ سکتا ہے، جبکہ ہزاروں اشخاص نہیں دیکھ سکتے۔

تبلیغ میں آنحضرت ﷺ کی کوششیں:

اب نبی ﷺ نے سب کو عام طور پر سمجھانا شروع کیا۔ ہر ایک میلے میں، ہر ایک گلی کوچے میں جا جا کر لوگوں کو توحید کی خوبی بتاتے، بتوں، پتھروں، درختوں کی پُوجا سے روکتے، بیٹیوں کو مار ڈالنے سے ہٹاتے، زنا سے منع کرتے، جُوا کھیلنے سے لوگوں کو روکتے تھے۔

آپ ﷺ کے وعظ کی بڑی بڑی باتیں:

آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ: لوگ اپنے جسم کو نجاست سے کپڑوں کو میل کچیل

سے، زبان کو گندی باتوں سے، دل کو جھوٹے اعتقادوں سے پاک وصاف رکھیں، وعدہ اور اقرار کی سخت پابندی کرلیں، لین دین میں کسی سے دغا نہ کریں، اللہ کی ذات کو نقص سے، عیب سے، آلودگی سے پاک سمجھیں، اِس بات کا پختہ اعتقاد رکھیں کہ زمین، آسمان، چاند، سورج، چھوٹے بڑے سب کے سب اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں، سب اسی کے محتاج ہیں، دعا کا قبول کرنا، بیمار کو صحت وتندرستی دینا، مُرادیں پوری کرنا اللہ کے اختیار میں ہے۔ اللہ کی مرضی اور حکم کے بغیر کوئی بھی کچھ نہیں کرسکتا، فرشتے اور نبی بھی اس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے۔

(جاری..................)

❑❖❑

قسط نمبر (۴)

حیات قطبِ دکنؒ

از:

مولانا سعید الحق صاحب قریشی

جدامجد مولانا محمد قاسم قریشی قدس سرہٗ

حضرت قطبِ دکن رحمۃ اللہ علیہ کے دادا مولانا محمد قاسم قریشی کو نو (۹) سال کی عمر میں آپ کے والد (مولوی محمد اسماعیل قریشی) نے تعلیم کی غرض سے حیدرآباد بھیج دیا۔اس زمانہ میں اودگیر سے حیدرآباد تک چھ دن کی مسافت تھی اور سفر پیدل یا بیل گاڑی پر کرنا پڑتا تھا، راستہ بہت پُرخطر تھا، چوروں اور ڈاکوؤں کا بڑا خطرہ رہا کرتا تھا؛لیکن علمِ دین کے عشق نے ان خطرات کی کوئی پرواہ نہ کی، آپ نے حیدرآباد پہونچ کر علمِ دین حاصل فرمایا اور اپنی زندگی کا ایک حصہ اسی میں صَرف کر دیا، پھر وہیں ملازمت اختیار کی اور چالیس برس تک حیدرآباد ہی میں رہے، دورانِ ملازمت اپنے والد محترم کے لیے سو (۱۰۰) روپئے ماہانہ بھیجا کرتے تھے، اس رقم سے مولوی محمد اسماعیل قریشی نے مکان تعمیر فرمایا اور ایک بہت بڑی زمین بھی خریدی، جس کا کچھ حصہ پڑدادی اماں حسین بیؒ نے عدالت اور تحصیل کے لیے گورنمنٹ کو عطیہ کر دیا تھا۔

مولوی محمد اسماعیل قریشی نے اپنے اکلوتے بیٹے کی تعلیم کی خاطر ایک طویل عرصہ تک تنہا حیدرآباد میں سکونت اختیار کی اور اس کے ساتھ ساتھ ملازمت بھی کیا کرتے تھے، پڑدادا حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قریشی رحمۃ اللہ علیہ نے علمِ دین کے حصول کے لیے بے انتہا مصیبتیں برداشت کرتے رہے، خود حضرت فرمایا کرتے تھے: میں نے انبیل (آٹے کا حریرہ) پی پی کر تعلیم حاصل کی ہے اور مزید کہا کرتے تھے: اگر میں دورانِ تعلیم اپنے اُوپر آنے والی مصیبتوں کو بیان کروں تو ایک کتابچہ تیار ہوسکتا ہے۔

بالواسطہ بانی دارالعلوم دیوبند سے شرفِ تلمّذ

حضرت مولانا قاسم صاحب قریشی رحمۃ اللہ علیہ مقصود جنگ حکیم سرکار کے والد میر منصور علی خان صاحب کے شاگرد تھے، اور میر منصور علی خان صاحب بانئ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کے ان خاص شاگردوں میں شامل تھے جنھوں نے قیامِ دارالعلوم سے قبل علمِ دین حاصل کیا تھا، گویا پڑدادا حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قریشی قدس سرہٗ بالواسطہ دارالعلوم دیوبند ہی کے ایک ممتاز طالبِ علم تھے۔

استاد اور شاگرد میں خلوص ومحبت

مولانا قاسم صاحب قریشیؒ نے میر منصور علی خان صاحب سے علمِ دین کے علاوہ علمِ طب میں بھی مہارت حاصل کرلی تھی۔ استاد اور شاگرد میں بے حد خلوص اور محبت تھی، جس کی مثال آج مشکل سے ہی کہیں مل سکے گی، استاذِ محترم میر منصور علی خان صاحب کا حال یہ تھا کہ ایک دن بھی شاگرد محمد قاسم صاحب نہ آئیں تو خود حال دریافت کرنے کے لیے شاگرد کے گھر تشریف لے جاتے اور نہ آنے کی وجہ پوچھتے۔

ایک دفعہ تو عجیب حال سنا گیا کہ استاد شاگرد کے گھر شام میں تشریف لے آئے، جب واپس ہونے لگے تو شاگرد استاد کو رخصت کرنے کے لیے ساتھ ہو گئے، یہاں تک کہ استاد کا گھر آ گیا، اب شاگرد رخصت ہونے لگے تو استاد صاحب شاگرد کو رخصت کرنے کے لیے ساتھ ہو گئے، یہاں تک کہ شاگرد کا گھر آ گیا، اسی طرح ایک دوسرے کو رخصت کرنے میں ساری رات کٹ گئی، سبحان اللہ! کس قدر خلوص ومحبت ہوا کرتی تھی۔

سلطنتِ آصفیہ میں آپ کا مقام

مولانا محمد قاسم صاحب قریشی کا شمار اس وقت کے کبار علماء میں ہوتا تھا اور آپؒ اپنے شاگردوں کو منشی فاضل، مولوی عالم، منشی عالم کی ڈگری اور سند دیا کرتے تھے، جس کی بنیاد

پر دفاتر عدالت اور دیگر سرکاری محکموں میں ملازمت مل جایا کرتی تھی، اِس طرح بے شمار افراد نے آپ کی طرف سے جاری کردہ سند کی وجہ سے ملازمت حاصل کی اور حکومتِ وقت کے یہاں آپ کی طرف سے دی جانے والی سند تسلیم کرلی جاتی تھی۔

انگریز عہدہ دار کی حضرتؒ کی خدمت میں حاضری

حضرت مولانا قاسم صاحب قریشی رحمۃ اللہ علیہ حیدرآباد میں قیام کے دوران جب کبھی اودگیر تشریف لاتے تو تمام بزرگوں کی زیارت کے لیے ان کے مزارات پر ضرور حاضری دیتے، ایک مرتبہ حضرت اودگیر ہی میں مقیم تھے، ایک انگریز وزیرِ تعلیم آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت نے اس کو حضرت خواجہ صدرالدین باشاہ رحمۃ اللہ علیہ خلیفۂ اجل شیخ المشائخ حضرت عثمان ہارونی نوراللہ مرقدہٗ کے مزار کی زیارت کروائی، حضرت کی گنبد کے قریب ایک نیم کا درخت تھا، جس کی وہ ٹہنیاں جو گنبد سے لگی ہوئی تھیں ان کے پتے میٹھے اور جو ٹہنیاں گنبد سے علاحدہ تھیں ان کے پتے کڑوے تھے، یہ فرق دیکھ کر انگریز افسر بڑا متحیر ہوا اور خوش ہوکر دس روپیے کی مٹھائی منگوائی اور اس کو لوگوں میں تقسیم کروادی۔

استغناء اور زہد فی الدنیا کی عجیب مثال

سلطنتِ آصفیہ میں حضرتؒ کا کافی اثر و رسوخ تھا، اسی بنیاد پر ونپرتی کے راجہ نے آپ سے سرکارِ عالی میں اپنی سفارش کی درخواست کی، دراصل ونپرتی کے راجہ کی بہت بڑی رقم سرکارِ آصفیہ میں عرصۂ دراز سے رُکی ہوئی تھی، کافی عرصہ سے کارروائی چلتی آرہی تھی؛ لیکن کارروائی آگے نہیں بڑھتی اور فیصلہ بھی نہیں ہورہا تھا، ونپرتی کا راجہ پڑدادا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا حال بیان کیا، حضرتؒ نے اس کی مدد فرمائی اور کارروائی کی تکمیل فرمادی، ہزاروں کی رقم جو اس کو ملنا تھی مل گئی، راجہ بہت خوش ہوا اور اس خوشی میں میانے میں بیٹھ کر ایک مٹکے میں روپیے بھر کر لے آیا اور حضرت کی خدمت میں اس کو نذر کرنا چاہا، حضرت بے تکلف کھڑے ہوگئے اور اپنے پاجامے کا پیوند دکھلا کر فرمایا:

تمہاری اس رقم سے میرا یہ پیوند بہتر ہے، اس کو واپس لے جاؤ اور اپنے کام میں استعمال کرو، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، راجہ مایوس ہو کر چلا گیا۔

اسی طرح چالیس سال حیدرآباد میں قیام کرنے کے بعد جب اودگیر تشریف لے آئے، تو مدرسہ کے لیے بیگ جی صاحبؒ کی زمین کے مالک دیشمکھ صاحب نے کچھ زمین حضرتؒ کو دینی چاہی، تو پڑدادا حضرت نے سختی سے انکار کر دیا، استغنیٰ اور بے غرضی کا یہ عالم تھا۔

غیر شرعی رسوم کی سخت مخالفت

یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہر شخص کی ذمہ داری اس کو ملی ہوئی نعمت کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ ایک بااختیار شخص کی ذمہ داری ایک بے اختیار شخص سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، صاحبِ اقتدار کی ذمہ داری اس شخص سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے جو اقتدار سے محروم ہے، ایک فقیر کی نسبت مالدار کی ذمہ داری بڑی ہے اِسی طرح ایک صاحبِ علم کی ذمہ داری اَن پڑھ سے کہیں زیادہ ہے؛ بلکہ ایک عالمِ ربانی پر تو بیک وقت کئی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ مثلاً لوگوں کے سامنے حقائقِ دین کو واضح کرنا، دینِ اصلی اور صاف وشفاف مصادر سے لوگوں کو دین کی تعلیم دینا، دین لوگوں کو بالکل اسی طرح سکھلانا جیسا اللہ نے نازل کیا ہے، جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دعوت دی ہے اور جیسا صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو سمجھا، یعنی ایک عالم دین کے لیے ضروری ہے کہ وہ شائبوں، بدعتوں اور تحریفات سے پاکیزہ اسلامی تعلیمات لوگوں کے سامنے پیش کرے۔

حضرت مولانا قاسم صاحب قریشی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان عالمانہ صفات کا بھرپور حصہ عطا فرمایا تھا، آپ کے دورِ حیات میں جنوبِ ہند کا علاقہ شیعیت اور رافضیت کا گڑھ سمجھا جاتا تھا، خصوصاً محرم الحرم کی من گھڑت رسوم، علَم برداری، تعزیہ داری، ماتم وغیرہ عام تھا، جہالت کا دَور دَورہ تھا، ان تاریکیوں اور جہالت کے اندھیروں سے امت کو بچانے کے لیے آپ سختی کے ساتھ ان رسوم کی مخالفت کرتے تھے، ایک مرتبہ

محرم کے مہینہ میں کچھ لوگ حضرت کے پاس آئے اور کہا کہ ہر سال ہم محرم دھوم دھام سے مناتے ہیں، اس سال بھی منائیں گے، تو حضرتؒ نے انھیں نصیحت فرمائی اور کہا کہ: یہ مسلمانوں کا شعار نہیں ہے، اس سال کے بعد اب تم محرم نہیں مناؤ گے، وہ لوگ تیار ہو گئے اور کچھ طبقہ اس فعل سے تائب ہو گیا۔

اکثر لوگ اس کی وجہ سے ان دنوں حضرتؒ کے گھر پر پتھر پھینکتے تھے، جس کی وجہ سے آپ کبیدہ خاطر ہو کر ایک غیر مسلم ہڑمو نامی شخص کے گھر جا کر بیٹھ جاتے، اس سے باتیں کرتے اور دل بہلاتے تھے اور وہ بھی آپ سے بہت محبت کرتا تھا وہ بہت سیدھا سادھا آدمی تھا، حضرت غلام محبوب صاحب استاد اور نصیر محمد صاحب تھانیدار اس سلسلہ میں آپ کا بہت ساتھ دیتے تھے اور بڑی محبت سے آپ کے ساتھ رہا کرتے تھے، ایک دوسرے کے گھر آیا جایا کرتے تھے، جو کچھ اپنے گھروں میں پکتا وہ کسی ایک کے گھر میں بیٹھ کر کھا لیتے، ان حضرات کا آپس میں بڑی سادگی اور بے تکلفی کا تعلق تھا۔

(جاری..................)

❏❖❏

بیعتِ طریقت کا مقصد: اصلاحِ اعمال

از:

قطبِ دکن

مولانا شاہ محمد عبدالغفور قریشی نور اللہ مرقدہٗ

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكِ نِ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعَةً أَوْثَمَانِيَةً أَوْسَبْعَةً فَقَالَ: أَلَاتُبَايِعُوْنَ رَسُوْلَ اللهِ وَكُنَّا حَدِيْثَ عَهْدٍ بِبَيْعَةٍ فَقُلْنَا قَدْ بَايَعْنَاكَ يَارَسُوْلَ اللهِ. ثُمَّ قَالَ: أَلَاتُبَايِعُوْنَ رَسُوْلَ اللهِ فَقُلْنَا قَدْبَايَعْنَاكَ يَارَسُوْلَ اللهِ. ثُمَّ قَالَ: أَلَاتُبَايِعُوْنَ رَسُوْلَ اللّهِ. قَالَ فَبَسَطْنَا أَيْدِيَنَا وَقُلْنَا قَدْ بَايَعْنَاكَ يَارَسُوْلَ اللهِ فَعَلٰى مَانُبَايِعُكَ قَالَ: عَلٰى أَنْ تَعْبُدُوا اللهَ وَلَاتُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا وَالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَتُطِيْعُوْا وَأَسَرَّ كَلِمَةً خَفِيَّةً وَلَاتَسْأَلُوا النَّاسَ شَيْئًا فَلَقَدْ رَأَيْتُ بَعْضَ أُولَائِكَ النَّفَرِ يَسْقُطُ سَوْطُ أَحَدِهِمْ فَمَايَسْأَلُ أَحَدًا يُنَاوِلُهُ إِيَّاهُ.

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: ہم لوگ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، ۹/آدمی تھے یا ۸ یا ۷، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تم رسول اللہ سے بیعت نہیں کرتے، ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیے اور عرض کیا کہ کس امر پر آپ کی بیعت کریں یارسول اللہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان اُمور پر کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور پانچوں نمازیں پڑھو اور (احکام) سنو اور مانو اور ایک بات آہستہ فرمائی، وہ یہ کہ لوگوں سے کوئی چیز مت مانگو۔ راوی کہتے ہیں کہ مَیں نے ان حضرات میں سے بعض کی یہ حالت دیکھی ہے کہ

اتفاقاً چابک گر پڑا تو وہ بھی کسی سے نہیں مانگا کہ اُٹھا کر ان کو دے دے۔
(روایت کیا اِس کو مسلم، ابوداوٗد اور نسائی نے)

حضراتِ صوفیۂ کرام میں جو بیعت کا معمول ہے جس کا حاصل معاہدہ ہے، التزام واہتمام اعمالِ ظاہری و باطنی کا، جس کو ان کے عرف میں بیعت طریقت کہتے ہیں، بعض اہلِ ظاہر اِس کو اس بنا پر بدعت کہتے ہیں کہ حضور ﷺ سے منقول نہیں صرف کافروں کی بیعت اسلام اور مسلمانوں کی بیعت جہاد کرنا معمول تھا؛ مگر اس حدیث میں اس کا صریح اثبات موجود ہے کہ یہ مخاطبین چونکہ صحابہؓ ہیں؛ اِس لیے یہ بیعتِ اسلام یقیناً نہیں کہ تحصیل حاصل لازم آتا ہے اور مضمونِ بیعت سے ظاہر ہے کہ بیعتِ جہاد بھی نہیں؛ بلکہ بدلالت الفاظ معلوم ہے کہ التزام اہتمامِ اعمال کے لیے ہے، پس مقصود ثابت ہوگیا۔

عادت تعلیم خفی للمصلحت

اکثر مشائخین کی عادت ہے کہ مُریدین کو خلوت میں خفیہ تعلیم فرماتے ہیں، کبھی تو یہ سب عام ہوتا ہے، وہ امر عام فہم نہیں ہوتا، اس کے اظہار میں افتتان واضلال عوام کا ہوتا ہے اور کبھی یہ وجہ ہوتی ہے کہ خفیہ تعلیم دلیل خصوصیت واہتمام ہے، اس میں طالب کے دل میں زیادہ قدر ومنزلت ہوتی ہے اور یہ بھی نفع ہے کہ دوسرے طالبین اس کو سن کر حرص وتقلید نہ کریں، جن کی حالت کے مناسب دوسری تعلیم ہے۔ سو اِس حدیث میں اِس بات کی اصل پائی جاتی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک امر خفی طور سے فرمایا جس میں علاوہ بعض مصالح مذکور کے عجب نہیں کہ علی الاطلاق اس کے واجب نہ ہونے کی طرف اشارہ ہو؛ کیونکہ اُمورِ واجبہ کا مقتضاء اعلان ہے۔ بہر حال مطلق مصلحت سے اخفا ثابت ہوگیا۔

مسئلہ مبالغہ در امتثال امر شیخ

اکثر مریدین کا مقتضائے طبیعت ہوتا ہے کہ مرشد کے احکام ماننے میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ رعایت معنیٰ کے ساتھ مدلول ظاہر الفاظ تک کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اِس

حدیث سے اِس کا اثبات ہوتا ہے؛ کیونکہ یہ امر یقینی ہے کہ مراد منع کرنا تھا، دوسرے کی چیز مانگنے سے نہ کہ اپنی بطور استعانت مانگنے سے؛ مگر چونکہ لفظ فی نفسہٖ اس کو متحمل تھا، جو وہ احتمالِ قرائن کی وجہ سے منفی ہے، اِس احتمالِ لفظی کی رعایت سے اپنی چیز مانگنے کی بھی احتیاط رکھی جیسا دوسری حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اثنائے خطبہ میں فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، ایک صحابی دروازے سے آرہے تھے سُن کر وہیں بیٹھ گئے؛ حالانکہ مقصود حضور ﷺ کا یہ تھا اندر آکر موقع پر بیٹھ جاؤ، کھڑے مت رہو، نہ یہ کہ آؤ بھی مت، یہ شعبہ ہے غایتِ احترام وتادب شیخ کا، جو کہ استفادہ باطنی کے لیے شرطِ اعظم ہے۔

وضاحت: التزام احکام واہتمام اعمالِ ظاہری وباطنی کا جس کو ان کے عرف میں بیعت طریقت کہتے ہیں۔ بیعت تو بیچ دینا ہے، جس سے مفہوم یہ ہوا کہ بیعت ہونے والا جس کے ہاتھ پر بیعت کر رہا ہے گویا وہ اپنے آپ کو اس کے حوالے کر رہا ہے، بیچ دے رہا ہے یعنی اب مَیں آپ کا ہوگیا جو چاہے آپ مجھ میں تصرف کیجیے، اب مَیں آپ کی ملک ہوں، ایسا ہی مفہوم پیرانِ طریقت میں چلتا ہے۔ حضور ﷺ نے صحابۂ کرامؓ سے پابندیٔ اعمال کا عہد لیا اور صحابۂ کرامؓ نے حضور ﷺ کے ہاتھ پر عہد کیا۔ عہد ومعاہدہ کا مطلب بھی یہی ہے کہ آپ جس چیز کا عہد لیں اور کہیں مَیں اس کا پابند رہوں گا۔ یہاں بھی بیعت کا اپنے آپ کو بیچ دینے کا یہی مفہوم بنتا ہے۔ صحابۂ کرامؓ تو پابند تھے ہی، ان سے بڑھ کر اور کون پابند ہوسکتا ہے، پھر بھی حضور ﷺ نے جو صحابۂ کرامؓ سے بیعت لی۔ آپ ﷺ کے بیعت لینے سے ایک تو امت کو بیعت لینے کا عمل ملا اور بیعت کا طریقہ مسنون ٹھہرا، دوسرے آپ ﷺ کے بیعت لینے میں بیعت کرنے والوں پر آپ کی توجہ اور شفقت اور بیعت ہونے والوں میں آپ کا اثر ہونا ثابت ہوا اور اعمالِ ظاہری وباطنی میں آپ کی برکت اور سہولت مل گئی جو بیعت نہ ہونے والوں کو نصیب نہیں، جیسا کہ یہ سہولت اور برکت کی بات بعد والوں پر خوب واضح طور پر ظاہر ہوئی اور ہورہی ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو تو آپ ﷺ کا اثر آپ ﷺ کی صحبت ہی سے بغیر بیعت کے ایمان لاتے ہی ہوجاتا تھا۔ تابعین اور تبع

تابعین تک ایسا ہی رہا؛ لیکن آپ کے شیخ جانشینوں سے بیعت کر کے ہی آپ کا اثر جانشینوں کے واسطے سے پانے کی سمت احتیاج ہوئی۔ اس کے بغیر حضور ﷺ کے بیعت والے اثرات کو پانا محال ہوگیا، جس کو پیرانِ طریقت نے خوب چلایا اور کثیر در کثیر لوگوں کو بیعت کے اثرات کامل طور پر پہنچائے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر آپ ﷺ کی صحبت کے کیا اثرات تھے؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں حضور ﷺ کے ظاہری اور باطنی دونوں اثرات منتقل ہوئے، ہر ہر صحابی آپ ﷺ کے ظاہر و باطن دونوں کا نمونہ تھا، جن میں جتنا ظرف تھا اُتنا ہی یہ انتقال عمل میں آیا اور چونکہ یہ انتقال بالراست تھا، آپ ﷺ کی صحبت اور حضور ﷺ بلا واسطہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نصیب ہوئے؛ اِس لیے ہر صحابی کا درجہ تا قیامت ہونے والے صلحاء، اتقیاء، اولیاء اور غوث واَبدال سے بڑھا ہوا ہے، ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے درجہ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت غوثِ پاکؒ فرماتے ہیں کہ: حضور ﷺ کے ساتھ چلنے والے صحابی کے گھوڑے کی سُم کے گرد کے برابر بھی نہیں ہوں؛ کیونکہ صحابۂ کرامؓ کو آپ ﷺ کی معیتِ ظاہر، دیدارِ ظاہری، اثر صحبت ظاہرہ، قرب ظاہرہ نصیب تھی اور سب کو غائبانہ مشاہدہ وقرب ومعیت نصیب ہوتی ہے۔ ایسا ہی کہا گیا ہے:

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

''سنا ہوا دیکھنے کے برابر کہاں ہوسکتا ہے''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جسم اور دل کی آنکھوں سے حضور ﷺ کو دیکھتے تھے اور انوارِ ایمانی آپ ﷺ کے قلبِ مبارک سے اور جسم کی آنکھوں سے، آپ ﷺ کے چہرۂ انور کے انوار کو دیکھتے تھے اور اس میں تجلیاتِ الٰہی کا مشاہدہ کرتے تھے، آپ ﷺ کو جس نے دل اور آنکھ سے جس قدر دیکھا اُسی قدر پایا۔ ان میں بھی عشرۂ مبشرہ کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا تھا اور ان عشرۂ مبشرہ میں بھی چاروں خلفاءِ راشدہ کا کوئی مقابلہ نہیں تھا اور ان چاروں خلفاء میں بھی کوئی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا، اِس کا ثبوت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اِس قول سے ہوتا ہے: ''بیعت خلافت کے وقت انصار ومہاجرین جمع تھے،

سبھوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے للکار کر فرمایا: تم میں سے کون حضور ﷺ کی خدمت میں ابوبکرؓ سے بڑھ سکتا ہے؟ سبھوں نے بیک زبان جواب دیا: "نَعُوْذُ بِاللّٰهِ أَنْ نَتَقَدَّمَ أَبَابَكْرٍ" (ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ابوبکرؓ سے بڑھ جائیں)۔ حضور ﷺ نے بھی فرمادیا: میرے سینے میں جو کچھ تھا میں نے ابوبکرؓ کے سینے میں منتقل کیا، یہ بات آپ ﷺ نے اپنے کسی صحابیؓ کے متعلق نہیں فرمائی"۔ ظاہر ہے کہ سینۂ مبارک ﷺ میں علم وعرفان تھا، اُس کا انتقال آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے ظاہر ہوا وہ تا قیامت چلتا رہے گا۔ یہ انتقال ہر صحابی میں بقدرِ استعداد ہوا اور ہر ولی میں ہوتا ہے اور تا قیامت ہوگا، اس کا ثبوت ہر صدیق پر، ہر غوث، ہر اَبدال، ہر ولی، ہر متقی اور ہر صالح پر ہے، جس نے اپنے ظرف کے لحاظ سے جس قدر پیا وہ اسی قدر امت میں اُونچا ہوا اور دوسروں کو بھی سیراب کیا۔ حضرت محبوبِ سبحانی قطبِ ربانی غوثِ صمدانی شاہ عبدالقادر جیلانی، خواجہ غریب نواز، سلطان الہند حضرت بہاؤالدین نقشبند اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہم اللہ کا اِس علم وعرفان کے پینے میں کون مقابلہ کرسکتا ہے۔

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ صحابۂ کرامؓ کے زمانے میں حضور ﷺ کی حیات میں تھے، حضور ﷺ سے ملاقات نہ ہوسکی؛ مگر حضور ﷺ سے غائبانہ اِس قدر علم وعرفان آپ ﷺ کے سینۂ مبارک سے پیا کہ خود آپ ﷺ نے اپنا جبۂ مبارک صحابۂ کرامؓ کو دے کر فرمایا کہ اویس قرنی سے کہو کہ یہ میرا جبہ پہن کر میری امت کی مغفرت کے لیے دعا کریں۔ آپ ﷺ نے اُن کے لباس، چہرہ اور ملاقات کا مقام اور ہونے والی گفتگو تک کی تفصیل بیان کی؛ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک صحابی جبۂ مبارک لے کر گئے، آپ کو جنگل میں پایا، حضور ﷺ کا جبہ مبارک دیا اور آپ ﷺ کا پیام سنایا، حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ دونوں کو ایک جگہ چھوڑ کر دُور خلوت میں گئے اور سر بسجود ہو کر اس علم وعرفان کی کیفیت اور حال میں جو حضور ﷺ سے پی تھی اللہ تعالیٰ سے عرض ومعروض میں لگ گئے، اللہ کا جواب بھی پاتے رہے کہ ہم نے چوتھائی امت بخش دی، عرض کیا نہیں

پوری امت کو بخش دیجیے، اللہ نے فرمایا اچھا آدھی امت کو بخش دیا، عرض کیا نہیں پوری امت کو بخش دیجیے! اللہ نے فرمایا دو تہائی امت کو بخش دیا، عرض کیا نہیں پوری امت کو بخش دیجیے، اتنے میں بہت دیر ہونے سے دونوں تلاش کرتے ہوئے اُس جگہ پہنچ گئے، ان کی آمد کی آہٹ سے آپ کی وہ اللہ سے خلوت ٹُوٹ گئی اور بات رہ گئی۔ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے شکایت کی اور کہا اگر اور تھوڑی دیر تم نہ آتے تو پوری امت کو بخشوالیتا۔ اِس واقعہ سے یہ ظاہر ہوا کہ سینۂ مبارک ﷺ سے یہ علم وعرفان کا انتقال صرف صحابۂ کرامؓ ہی کی حدتک نہیں ہے؛ بلکہ صحابۂ کرامؓ کے علاوہ بھی ہے اور پیرانِ عظام سے یہ بات خوب کھلتی ہے کہ یہ انتقال تا قیامت ہے بقدرِ استعداد، اگر ایسا نہ ہوتا تو دین ایسا مضبوط نہ چلتا جیسا کہ چل رہا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ بڑے زور سے فرماتے ہیں: حضرت اویس قرنیؓ پر صحابیت کے درجے کا انکشاف نہیں ہوا تھا؛ اِس لیے وہ صحابی نہیں بن سکے اور والدہ ہی کی خدمت میں رہ گئے؛ ورنہ ضرور صحابی بن جاتے؛ مگر یہ واقعہ ہونا تھا، اِس سے یہ بات ضرور کھل گئی کہ صحابۂ کرامؓ کے علاوہ بھی غائبانہ میرے سینے سے علم وعرفان پئیں گے اور میرے واسطے (جبۂ مبارک) سے اللہ تعالیٰ سے عرض ومعروض کا سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا اور اولیاء اللہ اسی طرح اللہ تعالیٰ سے عرض ومعروض کے ذریعے امت کا کام بناتے رہیں گے؛ ورنہ امت بے سہارا ہوجاتی کہ ہم کس سے کہیں کہ اللہ سے ہمارے لیے کہیے۔ اللہ والے ہرزمانے میں بہ کثرت رہے ہیں اور اویس قرنیؒ جیسا اللہ سے امت کے لیے عرض کرتے رہے ہیں اور اللہ کو منواتے رہے ہیں۔

اکثر مریدین کا مقتضائے طبیعت ہوتا ہے کہ مرشد کے احکام ماننے میں اِس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ رعایت معنیٰ کے ساتھ مدلول ظاہر الفاظ تک کا لحاظ رکھتے ہیں، یعنی محبت کے غلبہ میں کوئی پیر کے کہے ہوئے کے مفہوم کو لیتا ہے تو کوئی الفاظ کی بھی تعمیل کرتا ہے۔ اطاعت میں طبیعت کا تقاضا پیدا ہونا محبت سے ہوتا ہے، صحابۂ کرامؓ نے جو حضور ﷺ کی اطاعت کا حق ادا کیا وہ حضور ﷺ سے محبت تھی؛ ورنہ ہر ایک جانتا ہے کہ بلا محبت

تھوڑی اطاعت بھی نہیں ہوسکتی، تو کامل اطاعت جس میں جان و مال سب لگ جاتے ہیں کیسے ہوسکتی ہے۔ صحابۂ کرامؓ میں جزو اعظم حضور ﷺ سے کامل محبت تھی اور اللہ نے معاملہ بھی ایسا رکھا تھا کہ آپ ﷺ سے محبت اللہ سے محبت، آپ ﷺ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا؛ بلکہ آپ ﷺ سے جب تک کامل محبت نہ ہو ایمان کامل نہیں ہوسکتا اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے کامل محبت کے اسباب بھی ویسے ہی مہیا فرمادیے تھے کہ آپ ﷺ کو ظاہر اور باطن سے پُرکشش بنایا تھا۔ صورت پرکشش کے ساتھ اخلاق مقناطیسی کہ آپ ﷺ کو دیکھنے والا آپ ﷺ کی ایک ادائے اخلاق سے قربان ہوجاتا تھا؛ بلکہ سو بار قربان ہوجاتا تھا۔

حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو درجے میں سے ایک درجہ کو دنیا میں رکھا ہے، جس سے لوگ آپس میں محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ آخرت میں اپنے سو درجے رحمت و محبت سے کام لیں گے۔

دنیا کو لیجیے! اگر دنیا سے محبت نکال دی جائے تو وہ دنیا نہیں رہتی؛ بلکہ جو دنیا کی محبت کو چھوڑ دیتا ہے وہ زاہد بن جاتا ہے، غرض دنیا بھی دنیا کی محبت سے چل رہی ہے اور دین، دین کی محبت ہی سے چل رہا ہے، جو دنیا کو محبت میں ترجیح دیتا ہے وہ دنیا والا ہے، اور جو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کو محبت میں ترجیح دیتا ہے وہ اللہ والا ہے۔

❑❖❑

عورت کی امامت

از: قلم
محمد فضیل قریشی

عورت کی امامت بھی ان مسائل میں سے ایک ہے جن پر موجودہ دَور میں سوالات اُٹھائے گئے ہیں اور کم علمی کے نتیجہ میں غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اسلامی لٹریچر میں ''امامت'' دو معنوں میں استعمال ہوتی ہے، ایک: نماز کی امامت اور دوسرے: قوم کی امامت وسربراہی۔ پہلا مفہوم عبادات سے متعلق ہے اور دوسرے کا تعلق سیاسیات سے ہے، پہلے ہم سیاسیات کے میدان کی امامت پر بات کرتے ہیں۔

سیاست کے بارے میں اسلام نے کسی متعین نظام اور طریقہ کی تعلیم نہیں دی ہے، صرف ان ہی اُصولوں اور رہنما ہدایات کا ذکر کیا ہے جو کسی بھی اجتماعیت کے لیے ضروری ہوتی ہیں، مثلاً امر بالمعروف ونہی عن المنکر، عدل وانصاف کا قیام، جرائم پر گرفت، سزاؤں کی تنفیذ، عوام کی فلاح وبہبود، قانون کی نظر میں سب کی برابری، جواب دہی اور بیت المال کے اندر امانت داری وغیرہ، پھر سیاسی نظام صدارتی ہو کہ پارلیمانی، وفاقی ہو کہ وحدانی، الیکشنی ہو کہ نیابتی وتقرراتی، ہر نظام کی گنجائش ہے، دَورِ خلافتِ راشدہ میں بھی انتخابِ خلیفہ کے مختلف طریقے رائج رہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انتخابِ خلیفہ کے وقت چھ رکنی کمیٹی کے کنوینر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں بڑے پیمانے پر رائے شماری کی تھی اور اِس میں گھروں کی پردہ نشین خواتین سے بھی رائیں لی گئی تھیں، حضرت شفاء بنتِ عبداللہ رضی اللہ عنہا کو خود رسولِ کریم ﷺ نے مدینہ کے بازار کی نگرانی پر مقرر فرمایا تھا اور آپ ﷺ نے مکہ کے اہم سفر کے دَوران صلح حدیبیہ کے نازک ترین موقع پر اپنی زوجہ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ پر اقدام فرمایا تھا، ان اُمور سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاست خواتین کے لیے شجرِ ممنوعہ نہیں ہے اور مَردوں کی طرح خواتین

بھی دیگر فرائض وآداب کی رعایت کے ساتھ ایسی ذمہ داریاں اُٹھا سکتی ہیں۔

بحث اُس وقت اہمیت اختیار کرجاتی ہے جب امامتِ عظمیٰ یعنی ملک کی اعلیٰ ترین سربراہی کا مسئلہ درپیش ہو، حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں یمن کی ملکۂ سبا خاتون تھیں اور پیغمبر علیہ السلام کے دربار میں اس کی حاضری اور قبولِ اسلام کا واقعہ قرآن نے نقل کیا ہے۔ بہرحال امامتِ عظمیٰ یعنی صدارتِ عالیہ کے منصب پر خواتین کی تقرری پر اہلِ علم کی رائیں مختلف ہیں، جو رائے اس منصب سے خواتین کو روکتی ہے اُس کے پیشِ نظر سماج میں خواتین کا زیادہ اہم کردار ہے جو بحیثیت نسلِ انسانی کی ماں کے خالقِ انسانیت نے انھیں عطا کیا ہے، اُن کی تائید اِس حدیث رسول ﷺ سے بھی ہوتی ہے کہ: ''وہ قوم فلاح یاب نہیں ہوسکتی جس نے اپنا زمامِ اختیار کسی خاتون کو سونپ دیا ہو''۔

(صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۴۴۲۵)

جہاں تک نماز کے اندر امامت کا مسئلہ ہے، اِس مسئلہ پر یورپ وامریکہ میں زیادہ واویلا مچایا گیا ہے، جس کی گُونج ان کے ہمنواؤں کے یہاں برصغیر وغیرہ میں بھی سنائی دیتی رہی ہے، اس مسئلہ کو یوں دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ مسجدوں کے اندر مرد نماز کی امامت کرتے ہیں، عورتیں امامت نہیں کرتی ہیں، تو یہ مساوات کے خلاف ہے؛ چنانچہ امریکہ میں بعض خواتین نے مسجد کے اندر جاکر مرد وعورت کی مشترک نماز کی امامت اَنجام دی۔

دراصل اس مسئلہ میں کئی مسئلوں کو اُلجھا دیا گیا ہے اور عورت کی عزت اور اُس کے وقار کے تحفظ کو غلط طریقہ سے اس کی عبادت اور مساوات کے مسئلہ سے جوڑ دیا گیا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام میں عورت کو اسی طرح عبادت کا حق ہے جس طرح مَردوں کو حق ہے؛ بلکہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں وہ مسجدِ نبویؐ کے اندر باجماعت نماز پڑھتی تھیں، عبادات کے سلسلہ میں مَرد اور عورت کے درمیان ایک فرق اس طرح رکھا گیا ہے کہ مرد پر ایک ذمہ داری ڈالی گئی ہے اور عورت کو اس ذمہ داری اور لزوم سے رخصت دی گئی ہے، وہ ذمہ داری یہ ہے کہ مرد پر پانچوں وقت کی روزانہ نمازیں مسجد کے اندر آکر جماعت کے

ساتھ ادا کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے؛ لیکن عورت کو اس پابندی سے رخصت دی گئی ہے کہ وہ مسجد میں نہ پڑھے؛ بلکہ گھر میں پڑھے۔ ذرا سوچیے! اگر عورت پر بھی یہ لازمی ہوتا کہ وہ روزانہ پانچوں وقت گھر سے نکل کر مسجد میں آکر جماعت ہی سے نماز پڑھے؛ ورنہ اس کا ثواب گھٹ جائے گا اور اللہ کی ناراضگی ملے گی جس طرح مرد کے لیے ہے، تو اس سے عورت کو دشواری ہوتی یا آسانی؟ آج تو بہت سے نمازی مرد اس سہولت پر عمل کرنے لگ گئے ہیں کہ وہ گھر کے اندر نماز پڑھ لیتے ہیں؛ حالانکہ مَردوں کو یہ سہولت نہیں دی گئی ہے، عورتوں کے لیے یہ سہولت دراصل اللہ کی جانب سے صنفِ نازک پر ایک بڑا احسان اور کرم ہے، جس کا نمونہ عبادات اور فرائض کے مختلف احکام میں موجود نظر آتا ہے۔

عبادات کے سلسلہ میں شریعت کا ایک حکم یہ ہے کہ مَردوں کی عبادتیں علاحدہ ہوں گی اور عورتوں کی علاحدہ؛ چنانچہ نماز کے اندر دونوں کی صفیں علاحدہ علاحدہ ہوں گی، رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسجدِ نبوی ؐ کے اندر ایسی ہی صفیں بنتی تھیں اور آپ ﷺ نے اسی کی تاکید فرمائی تھی۔ (مسند احمد، حدیث نمبر:۲۲۸۹۶) یہ حکم بھی دراصل عورتوں کی سہولت اور آرام؛ نیز ان کے تحفظ کے پیشِ نظر تھا؛ اِسی لیے آپ ﷺ نے یہ بھی حکم فرمایا تھا کہ جماعت کی نماز ختم ہونے کے بعد مرد ٹھہرے رہیں اور پہلے خواتین مسجد سے نکل جائیں، تب مرد باہر نکلیں؛ لہٰذا ایسی نماز اللہ کو پسند نہیں ہوگی جس میں مرد اور عورت خلط ملط ہوکر صف بنائیں، امریکہ میں ایسی ہی نماز پڑھی گئی تھی جو سراسر غلط ہے، عورتوں کے لیے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ فقہ کی کتابوں میں عورتوں کی باجماعت نماز کے مسائل تفصیل کے ساتھ موجود ہیں؛ لیکن ان پر لازم نہیں کیا گیا ہے کہ وہ کسی جگہ اکٹھی ہوں اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں، جیسا کہ مرد پر لازم کردیا گیا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ جمعہ اور عیدین کی نمازیں جو جماعت کے بغیر نہیں ہوسکتیں عورتوں پر فرض نہیں کی گئیں کہ اِس کی وجہ سے اُن پر وہاں آنے کی پابندی ہوجائے گی۔

پس حاصل یہ ہے کہ مسجد کے اندر باجماعت نماز میں خواتین شریک ہوسکتی ہیں،

جہاں ان کے لیے علاحدہ نظم ہو،ضرورت کے وقت خواتین اپنی مخصوص جماعت بھی بنا سکتی ہیں؛ لیکن ایسی جماعت جس میں عورت امامت کررہی ہو اور اس کے پیچھے مرد اور عورتیں نماز پڑھ رہی ہوں، اسی طرح ایسی جماعت جس میں صفوں کے اندر مرد اور عورت باہم ملے جلے اور خلط ملط ہوکر کھڑے ہوں درست نہیں ہے؛ کیوں کہ نماز اللہ کے لیے پڑھی جاتی ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے ایسی نماز کی تعلیم نہیں دی ہے۔

چنانچہ بینکوں اور مختلف سرکاری شعبوں میں خواتین کی لائین الگ رکھی جاتی ہے، بہت سی جگہ بسوں میں خواتین کی سیٹیں الگ ہوتی ہیں، اکثر مقامات پر مَردوں اور عورتوں کے بیت الخلاء الگ ہوتے ہیں، یہ امتیاز برتنا نہیں ہے؛ بلکہ سیکوریٹی کے تقاضے ہیں اور اسی سیکوریٹی کے تقاضے سے عورتوں کے عام مساجد میں آنے پر خلیفہ ثانی حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے روک لگائی جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق کی وجہ سے حکمِ شرعی بن چکا ہے۔

❑❖❑

ماہِ شعبان کی فضیلت

ازقلم:
مولانا یوسف صاحب قاسمی

اسلامی مہینوں میں شعبان کا مہینہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، یہ عبادت اور مغفرت کا مہینہ ہے، اس ماہِ مبارک کی عظمتیں اور برکتیں اعداد وشمار سے باہر ہیں، یہی وہ بابرکت مہینہ ہے جس کی خیر وبرکت سے گنہگار بندے اپنے دامنِ عمل کو سعادت ومغفرت اور رحمتِ خداوندی کے لعل وگوہر سے بھرتے ہیں۔

صاحب المنبر والمحراب ﷺ کا فرمانِ عالی ہے:

"اَلرَّجَبُ شَهْرِيْ وَالشَّعْبَانُ شَهْرُ اللهِ وَالرَّمَضَانُ شَهْرُ أُمَّتِيْ".

"رجب میرا مہینہ ہے، شعبان اللہ کا مہینہ ہے اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے"۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: شعبان کی فضیلت تمام مہینوں پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تمام انبیاء پر اور دوسرے مہینوں پر رمضان کی فضیلت ایسی ہے جیسے تمام کائنات پر اللہ تعالیٰ کی فضیلت۔

اُمُّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"مَارَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ إِلَّا شَعْبَانَ وَرَمَضَانَ".

"مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو سوائے شعبان اور رمضان کے کبھی دو مہینے لگاتار روزے رکھتے نہیں دیکھا"۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک کے بعد سب سے زیادہ ماہِ شعبان میں ہی روزہ رکھتے تھے، کبھی تو پورے شعبان کا روزہ رکھتے، کبھی شعبان کے کچھ دنوں میں روزہ رکھتے۔

ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو یہ بات بہت پسند تھی کہ شعبان کے روزوں کو رمضان کے روزوں کے ساتھ ملا دیں۔ یعنی رمضان کی طرح شعبان میں بھی لگا تار پورے ماہ روزہ رکھیں، گویا رسول اللہ ﷺ شعبان ہی سے رمضان المبارک کی تیاری شروع کر دیتے تھے، شعبان کی تاریخوں کو یاد رکھنے کا اس قدر اہتمام کرتے کہ کسی اور ماہ میں اتنا اہتمام نہ فرماتے تھے اور جب رجب کا چاند دیکھتے تو اِن الفاظ میں دعاء مانگا کرتے تھے:

''اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ''

''اے اللہ! ہمارے لیے رجب اور شعبان میں برکت عطا فرما اور ہم کو رمضان تک پہنچا''۔

یہ تھے شعبان میں آنحضرت ﷺ کے معمولات؛ مگر اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ہم لوگوں کو بھی آپ ﷺ نے شعبان میں عبادات کے اہتمام کا حکم دیا ہے اور رمضان کی تیاری کی ترغیب دلائی ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم بھی شعبان میں کچھ نہ کچھ روزوں کا اہتمام کریں۔

ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ: رجب اور رمضان کے درمیان ایک ایسا مہینہ ہے جس کے فضائل کا لوگوں کو علم نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس مہینہ میں بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ تک پہنچائے جاتے ہیں۔

پروردگارِ عالم نے امتِ محمدیہ پر بے شمار احسانات وانعامات کی بارش کی ہے، اُس نے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ ثواب دینے کے لیے بعض نادر مواقع مناسب اوقات اور پسندیدہ شب وروز عطا کیے، اُنہیں نادر مواقعوں میں سے ایک موقع ''شبِ براءت'' کا ہے، جس میں عبادت کے ذریعہ امتِ محمدیہؐ خدا کی بے پایاں رحمتوں اور برکتوں سے اپنا دامن بھر سکتی ہے۔

اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ میرے حجرہ میں آرام فرما رہے تھے، رات کے کسی حصہ میں میری آنکھ کھلی تو مَیں نے سرکارِ

دو جہاں ﷺ کو اپنے حجرہ سے غائب پایا، مَیں آپ ﷺ کی تلاش میں نکلی، مَیں نے آپ ﷺ کو تمام ازواجِ مطہرات ؓ کے حجروں میں تلاش کیا، یہاں تک کہ مَیں آپ ﷺ کی تلاش میں جنت البقیع پہنچ گئی، مَیں نے دیکھا کہ سرورِ دوعالم ﷺ اپنی امت کی بخشش کی دعا مانگ رہے ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا عائشہ! تمہیں معلوم ہے آج کون سی رات ہے؟ عرض کیا اللہ اور اُس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں، سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: آج شبِ براءت ہے، اتنی رحمتوں اور برکتوں والی رات ہے جس میں مولائے کریم اپنی شانِ کریمی کے صدقے بنوکلب قبیلہ کی بھیڑوں اور بکریوں کے برابر گنہگاروں کو بخش دیتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب شعبان کی پندرہویں رات ہوتو اُس رات میں قیام کرو اور دن کو روزہ رکھو؛ کیونکہ اُس رات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سورج غروب ہوتے ہی آسمانِ دنیا پر ظاہر ہوتی ہے اور اس کی بے پایاں رحمت کُل عالم پر چھا جاتی ہے۔

اللہ کے بندوں ذرا سوچو تو صحیح پورے سال بندہ خدا کی رحمت کو تلاش کرتا رہتا ہے؛ لیکن یہ ایسی منفرد رات ہے جس میں خدا کی رحمت بندوں کو تلاش کرتی ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس رات اپنے بندوں کو پکارتے ہیں کہ: ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا کہ مَیں اُس کو بخش دُوں؟ ہے کوئی رزق میں فراخی کا طلب گار کہ مَیں اُس کو رزق وافر عطا کروں؟ ہے کوئی مصیبت زدہ کہ مَیں اُسے مصیبت سے نجات دُوں؟ ہے کوئی ضرورت مند کہ مَیں اُس کی ضرورت پوری کروں؟ اصل بات یہ ہے کہ اس رات میں بندوں کی قسمت کے فیصلے کیے جاتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: شبِ براءت میں آئندہ سال کی پیدائش اور اموات لکھی جاتی ہیں اور آئندہ سال کا رزق تقسیم کیا جاتا ہے، اسی رات میں سال بھر کے اُمور کا فیصلہ کیا جاتا ہے، موت وحیات، خوشی وغمی، طلاق ونکاح، امارت وغربت، عزت وذلّت، عروج وزوال غرضیکہ بندوں کی قسمت سے متعلق تمام اُمور طے کیے جاتے ہیں جیسے دنیاوی حکومتیں، جماعتیں اور تجارتی ادارے

ہر سال آمد و خرچ کا حساب کر کے نفع و نقصان کا اوسط نکالتے ہیں، سابقہ سال کی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہیں اور آئندہ سال کا لائحہ عمل مرتّب کرتے ہیں مولائے کریم بھی ہر سال شبِ براءت کو اپنے بندوں کا بجٹ بناتے ہیں، شبِ براءت گویا خدائی بجٹ کی رات ہے۔ خدا تعالیٰ کے پاس ہماری زندگی کے فیصلے طے ہوتے رہتے ہیں اور ہم دنیا کے جھمیلوں میں اُلجھے رہتے ہیں، غلط رسموں اور رواجوں میں لگے رہتے، اس مقدس رات میں ہم بدعات وخرافات میں مبتلا رہتے ہیں، اللہ ہماری ان تمام چیزوں سے حفاظت فرمائے، آمین۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: شعبان کی پندرہویں شب کو حق تعالیٰ اپنی رحمت کے طفیل سوائے شرک اور کینہ پرور کے تمام گنہگاروں کو معاف فرمادیتے ہیں، اسی طرح والدین کا نافرمان، ہمیشہ شراب پینے والا، سود کھانے والا، چغل خوری کرنے والا، رشتے ناطے توڑنے والا، زنا کرنے والا اور ناحق قتل کرنے والے کی بھی اِس مقدس و بابرکت رات میں بخشش نہیں ہوتی، ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کی مغفرت فرماتے ہیں۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہمیں شبِ براءت جیسی مقدس و متبرک رات کے فیوض وبرکات سے مالامال فرمائے اور اس بابرکت رات میں اپنے مالک وخالق کو راضی کرنے والے اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔

اس رات میں اللہ تعالیٰ سے خصوصی طور پر دعاؤں کا اہتمام کریں اور یاد آجائے تو اِس ناچیز کو بھی اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں، اللہ پاک ہم سب کو اپنی محبت ومعرفت عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

❑❖❑

چند اہم مسائلِ رمضان

از قلم:
محمد اسید قریشی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے امتِ مسلمہ کو ایک بہت ہی بابرکت گھڑی عطا کی ہے جس کو ماہِ رمضان کہا جاتا ہے، جس طرح یہ پورا مہینہ بابرکت ہے اسی طرح اس کا ہر لمحہ، ہر گھڑی اور ہر عمل بابرکت ہے، جس کے ثواب میں ہر مؤمن کے لیے عام دنوں کے مقابلہ ستر فیصد اضافہ کیا گیا ہے، اس موقع کا فائدہ ہر مسلمان اُٹھانا چاہتا ہے اور بھرپور فائدہ اعمال کو درست طور پر کرنے سے حاصل ہوسکتا ہے۔ بطورِ خاص رمضان میں تقریباً مسلمانوں کو کچھ مسائل درپیش رہتے ہیں، وہ پیشِ نظر ہیں:

روزہ کس کو کہتے ہیں؟

''صوم'' کے لغوی معنیٰ رُکنے کے آتے ہیں، اصلاحِ شریعت میں ''صوم'' طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور بیوی کے ساتھ اپنی خواہش پوری کرنے سے رُکے رکھنا ''روزہ'' کہلاتا ہے۔

کن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

- بھول کر کھانے پینے اور جماع کر لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا چاہے کتنی مرتبہ ایسا کیا ہو۔
- روزہ میں سُرمہ، تیل اور خوشبو لگانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

مسئلہ: تراویح کی نماز کے لیے نیت کس طرح کریں؟

ہر دو رکعت پر نیت کرنا ضروری ہے یا صرف ایک مرتبہ بیس رکعت کی نیت کافی ہے؟
اِس کا حل یہ ہے کہ ہر دو رکعت پر نیت کرنا ضروری نہیں صرف ایک مرتبہ بیس رکعت کی نیت کر لینا کافی ہے؛ البتہ ہر دو رکعت پر نیت کرنا بہتر ہے۔

مسئلہ: رمضان کے روزہ کی نیت کب تک کر سکتے ہیں؟

ہوتا یہ ہے کہ کبھی سحر کے وقت آنکھ نہیں کھلتی اور فجر کی نماز کے بعد یا سحر کا وقت ختم ہونے کے بعد آنکھ کھلتی ہے، تو ایسی صورت میں نصف نہار شرعی (شریعت کے حساب سے آدھا دن) سے پہلے پہلے اگر کچھ بھی کھایا پیا نہ ہو تو روزہ کی نیت کر لینے سے روزہ ہو جائے گا۔ نصف نہارِ شرعی زوال سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے کا وقت ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار)

مسئلہ: کن چیزوں سے روزہ ٹُوٹ جاتا ہے؟

یہ معلوم ہوتے ہوئے بھی کہ مَیں روزہ سے ہوں کھانا، پینا اور جماع کرنا ان سے روزہ ٹُوٹ جاتا ہے اور ٹُوٹے ہوئے روزہ کی قضاء بھی لازم اور کفارہ بھی لازم ہوگا۔

کفارہ یہ ہے کہ مسلسل ساٹھ دن روزہ رکھے اور اگر کوئی شخص بہت بوڑھا ہے تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ضروری ہے۔

آنکھ اور ناک میں دوا ڈالنا، قصداً منھ بھر کر قے کرنا، روزہ یاد ہونے کی حالت میں کلی کرتے وقت پانی حلق میں اُترنا، عورت یا مرد کو چُھونے سے انزال ہونا، بیڑی، سگریٹ پینا، بھول کر کھانے پینے کے بعد قصداً پھر کھانا ان تمام صورتوں میں صرف روزہ کی قضا لازم ہوگی، کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

اور بلا ضرورت کسی چیز کو چبانا، کسی مریض کو خون دینا، غیبت کرنا، ٹوتھ پیسٹ یا منجن وغیرہ سے دانت مانجھنا، غسل واجب ہونے پر پورے دن غسل نہ کرنا وغیرہ اِن سب صورتوں میں روزہ مکروہ ہوتا ہے، فرض تو ذمہ سے ادا ہو جائے گا؛ لیکن ثواب میں کمی ہوگی۔

مسئلہ: صدقۂ فطر کس پر واجب ہے؟ اِس کی مقدار کتنی ہے؟ اور کب تک ادا کر سکتے ہیں؟

(الف): اگر کسی عاقل بالغ مسلمان کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ اتنی دولت ہے جس کی قیمت ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر ہے تو اس شخص پر صدقۂ فطر واجب ہے، خواہ تجارت کے مال سے ہو یا نہ ہو، سال گزرا ہو یا نہ گزرا ہو۔ بیوی کے

پاس بھی اسی طرح ضرورت سے زائد ہوتو وہ صرف اپنی جانب سے ادا کرے گی؛ لیکن شوہر اپنی اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے ادا کرے گا، بالغ اولاد اگر مالدار ہوتو باپ پر واجب نہیں؛ لیکن خود باپ ادا کرے تو ادا ہوجائے گا۔

(ب): اگر صدقۂ فطر گیہوں سے ادا کیا جائے تو نصف صاع (ایک کلو ۶۳۳ ر گرام) ہے اور کشمش وغیرہ سے دیا جائے تو ایک صاع (تین کلو ۲۶۶ ر گرام) ہے اور اگر کسی اور چیز کے ذریعہ دیا جائے تو ان کی قیمت کا اعتبار کریں گے۔

(ج) صدقۂ فطر ادا کرنے کا بہترین وقت عید الفطر سے پہلے ہے؛ لیکن عید کے بعد بھی دینے سے ادا ہوجائے گا۔

عید الفطر کے اعمال:

غسل کرنا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا، عیدگاہ کو ایک راستہ سے جانا اور دوسرے راستہ سے واپس آنا، عمدہ کپڑے پہننا جو پاس موجود ہوں، عید کی نماز عیدگاہ میں ہی ادا کرنا، عیدگاہ جانے سے پہلے کھجور وغیرہ کھانا، عیدگاہ جاتے اور آتے ہوئے تکبیرات کہنا، عیدگاہ کو پیدل جانا۔ (بخاری، کتاب العید)

ترکیبِ نماز:

عید الفطر کی نماز فجر کی نماز کی طرح ہی ہے؛ البتہ عید میں نمازِ واجب کی نیت کی جاتی ہے اور پہلی رکعت میں ثنا پڑھنے کے بعد تین زائد تکبیرات کہی جاتی ہیں اور دوسری رکعت میں قراءت کے بعد رکوع سے پہلے تین زائد تکبیرات پہلی رکعت میں دومرتبہ تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیں گے اور تیسری مرتبہ ہاتھ باندھ لیں گے اور دوسری رکعت میں تین مرتبہ تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ اُٹھا کر چھوڑ دیں گے اور چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع میں چلے جائیں گے پھر باقی نماز معمول کے مطابق ہوگی، اس کے بعد دعا ہوگی اور خطبہ ہوگا۔

اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

مسلم لڑکیوں میں بڑھتا فکری ارتداد اسباب وحل

ازقلم:
مولانا اسعد نعمانی

اَدیانِ عالم میں اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جسے علم وحکمت، معرفت وبصیرت اور حجت وبرہان کے میدان میں کوئی شکست دے سکا ہے نہ آئندہ دے سکے گا۔ دشمنانِ اسلام اَن تھک کوششوں کے باوجود نہ اسلام کو مغلوب کرسکے نہ ہی مسلمانوں کو اپنے دین سے برگشتہ کرسکے، برطانوی ہند میں تبلیغ عیسائیت کی انتہائی جدوجہد اور ان کی حددرجہ ناکامی اس کی واضح مثال ہے۔ جب دشمنانِ ایمان کو اِس بات کا مکمل یقین ہوچکا کہ عام احوال میں کسی مسلمان کو علانیہ اسلام کے مضبوط قلعے سے باہر نہیں کیا جاسکتا بالفاظِ دیگر وہ اختیاری اور ارادی طور پر دامنِ اسلام کو ہاتھ سے جانے نہیں دے سکتا؛ تو اسے غیر اختیاری اور غیر ارادی طور پر نعمتِ ایمان سے محروم کرنے کے لیے انہوں نے بڑی بڑی سازشیں رَچیں اور ہتھکنڈے اپنائے، ذیل میں اُن میں سے چند روح فرسا اور نیند اُڑادینے والی سازشوں کو طشت از بام کیا جارہا ہے۔

(۱) عشق ومحبت کا پُرفریب جال:

کہتے ہیں کہ ''انسان'' بنا ہی ہے ''اُنس'' سے، اگر اس کے اندر اُنس ومحبت نام کی چیز نہ ہوتو اسے انسان کے بجائے ''پتھر'' کا نام دینا زیادہ موزوں ہوگا؛ لیکن اس کا حد سے زیادہ ہوجانا بھی بڑے خطرہ کی چیز ہے؛ چنانچہ بہت سے لوگ عشق ومحبت میں ایسے اندھے ہوجاتے ہیں کہ انھیں اس کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا، چاہے اس کے نتیجے میں کسی کا قتل ہو یا خود انھیں مذہب ہی سے ہاتھ دھونا پڑے اور بچیاں تو اپنے بھولے پن کی وجہ سے محبت میں کچھ زیادہ ہی ''مخلص'' ہوتی ہیں؛ لیکن انھیں کیا خبر کہ ان کے اس

’’اخلاص ووفا‘‘ کا صلہ سوائے جور و جفا کے کچھ نہیں۔

دشمنانِ ایمان نے مذکوہ بالا انسانی فطرت کو سامنے رکھ کر مسلمان بچیوں کو ٹارگیٹ کیا اور انھیں ’’آدابِ محبت‘‘ کی زنجیروں میں جکڑ کر جبراً مرتد بنانے کی پلاننگ بنائی اور اپنے نوجوانوں کی ایک ایسی ٹیم تیار کی جن کا کام ہی یہی ہے کہ اسکول وکالج میں تعلیم حاصل کرنے والی یا شوشل میڈیا سے وابستہ مسلمان لڑکیوں کے فون نمبرز حاصل کیے جائیں، اُن سے کمالِ ہوشیاری کے ساتھ محبانہ اور مخلصانہ انداز میں بات چیت کر کے تعلقات قائم کیے جائیں، انھیں قیمتی ’’گفٹ‘‘ (موبائل وغیرہ) پیش کر کے اپنی ہوسنا کی پر پردہ ڈالا اور ’’بے لوث‘‘ محبت کا یقین دلایا جائے، پھر ان سے ملاقات ہو، یہاں تک کہ دولت اور پُرسکون زندگی کا سبز باغ دکھا کر موقعے سے اسے لے کر فرار ہو جائیں اور کورٹ میں اپنا ’’قانونی نکاح‘‘ درج کروالیں اور اب انھیں اوّلاً اپنا ہم مذہب (مرتد) بنائیں، عجیب بات ہے کہ یہ سارے مراحل اس حال میں طے پاتے ہیں کہ وہ ’’ظالم‘‘ اپنا کافر ہونا بالکل ظاہر ہونے نہیں دیتا؛ بلکہ مسلمانوں کے طور طریقے پر اور مسلمان کے فرضی نام کے ساتھ خود کو متعارف کراتا ہے، یہ تو گلے میں پھندا ڈلنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ کیا حقیقت اور کیا فریب؟!

پھر ایک مدت تک ’’استعمال‘‘ کرنے کے بعد ان پر ظلم وستم کے ایسے پہاڑ توڑیں کہ وہ زندگی سے بے زار ہو کر خودکشی کرلیں یا خود موت کے گھاٹ اُتار دیں۔

یہ کوئی اتفاقی باتیں نہیں ہیں، سینکڑوں واقعات اس کی تصدیق کے لیے موجود ہیں کہ یہ سب کچھ ایک منصوبہ بند سازش کے تحت انجام دیا جارہا ہے؛ بلکہ ایک نامور صحافی اور معروف عالمِ دین کے بیان کے مطابق اس کے لیے ہزاروں ٹریننگ کیمپس پورے ملک میں قائم ہیں، جن میں صرف اسی ’’درندگی‘‘ کی تربیت دی جارہی ہے، اس وقت جو ہزاروں کی تعداد میں مسلم لڑکیوں کی غیر مسلم لڑکوں سے شادی کے واقعات سامنے آرہے ہیں، یہ اسی سازش کا نتیجہ ہیں جس پر پردہ ڈالنے کے لیے ’’لَو جہاد‘‘ کا ہَوّا کھڑا کیا گیا ہے

اوراس کوخوب اُچھالا جارہا ہے، جب کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں سوائے چند اتفاقی واقعات کے؛ تاکہ اصل مسئلہ سے توجہ ہٹی رہے۔

(۱) اِس کا حل اِس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ اسلام کا وہ چودہ سو سال پہلے کا دیا ہوا حکم دوبارہ پابندِ عمل بنائیں، جسے ''رجعت پسندی'' خیال کر کے ترک کر دیا گیا تھا:

''عورت کی ذات وہ بیش قیمتی پونجی ہے جسے جتنا چھپا کر رکھا جائے، خود اس کے لیے اور پورے معاشرے کے لیے پاکیزگی کا سبب ہے، عورت کی ذات ہی پردہ سے عبارت ہے، اس کا غیر محرموں سے ملنا جلنا، اُٹھنا بیٹھنا، گفتگو کرنا حتیٰ کہ اپنی پازیب کی آواز بھی ان کو سنانا حرام ہے۔ افسوس کہ قیمتی جواہرات کو حفاظتی اقدامات کے ساتھ رکھنا تو عقل مندی کہلائے اور عورتوں کے لیے شرعی پردہ (نقاب و برقعہ پہننا، گھر کی چار دیواری سے باہر نہ نکلنا) رجعت پسندی قرار پائے؟؟!!''

(۲) ہمیں اپنی بچیوں کے لیے مخلوط نظامِ تعلیم کو بالکل ترک کرنا ہوگا۔ اب ان کو یا تو کسی غیر مخلوط اور محفوظ اسلامی ادارے میں داخل کرائیں یا گھر پر ہی اپنے قریبی رشتے داروں کے ذریعہ بنیادی ضروری تعلیم دلائیں۔ بصورتِ دیگر ایمان اور عزت بچانے کے لیے مروجہ عصری تعلیم کی قربانی بھی دینی پڑے تو کوئی بڑی بات نہیں، اس سے دنیا یا آخرت تباہ نہیں ہو جائے گی۔

(۳) موبائل اور اسکوٹی سے ان کو دُور رکھنا ہوگا، اس سلسلے میں معمولی سی غفلت وکوتاہی مہلک ثابت ہوسکتی ہے۔ کیوں پیش آمدہ واقعات میں زیادہ تر ایسی ہی بچیاں ہیں جن کے ہاتھ میں یہ دونوں چیزیں رہا کرتی تھیں۔ ہماری بچیاں جس قدر پاک باز اور نیک طینت ہوں، رابعہ بصریہ سے سبقت نہیں لے جاسکتیں، ان کے تئیں شیطان سے بے خوف نہیں ہوا جاسکتا تو ہمارے لیے اپنی بچیوں کے بارے میں اس قدر مطمئن اور بے خوف رہنا کسی دُور اندیش کا کام نہیں، ان کی ہر ہر حرکت پر کڑی نظر رکھنی ہوگی اور قابلِ شک بات پر باز پُرس بھی کرنی ہوگی، تب جا کر ان کا ایمان اور اپنی عزت باقی رہ سکتی ہے۔

(۴) اس سلسلے میں آخری ہمدردانہ گزارش یہ ہے کہ انسان کو ہوش تب آتا ہے جب کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے؛ حالانکہ جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا، اب ہوش آنے سے کیا ہوگا۔ آپ ایسا نہ کریں، مذکورہ بالا حقائق کو بار بار پڑھیں اور ان پر ٹھنڈے دماغ سے سوچیں پھر جو کرنے کی چیزیں ہیں اُن کو آج ہی سے عمل میں لائیں، ابھی کل کی بات ہے اور یہ سے چھ سات مسلمان بچیوں کے ارتداد کی خبر ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، آمین۔

❑❖❑

تراویح بیس رکعت یا آٹھ رکعت؟

از قلم:
شیخ عتیق الرحمٰن قاسمی
تحفظ سنت دار العلوم دیوبند

تَرَاوِیح ''تَرْوِیْحَۃٌ'' کی جمع ہے، یعنی اطمینان سے پڑھی جانے والی نماز، ہر چار رکعت کو ایک ترویحہ کہتے ہیں، پانچ ترویحہ یعنی بیس (۲۰) رکعات تراویح دس سلاموں کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور جمہور علماءِ اہلِ سنت والجماعت رحمہم اللہ کے نزدیک سنتِ مؤکدہ ہے۔

حضور ﷺ سے تراویح کی بیس رکعات کا تعین اگرچہ روایاتِ صحیحہ میں صراحتاً وارد نہیں ہوا ہے؛ لیکن روایاتِ صحیحہ سے بدرجۂ تواتر یہ ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کی عبادات خصوصاً نمازیں رمضان المبارک کے ایام میں دیگر ایام کی بہ نسبت نمایاں طور پر بڑھ جاتی تھیں۔

صحیح مسلم کی روایت ہے:

قَالَتْ عَائِشَـةُ رَضِـيَ اللهُ عَنْهَـا كَـانَ رَسُـوْلُ اللهِ صَـلَّى اللهُ عَلَيْـهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَا لَايَجْتَهِدُ فِيْ غَيْرِهِ.

(صحیح مسلم: ج/۱، ص/۳۷۲)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: نبی کریم ﷺ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں دیگر ایام کی بہ نسبت زیادہ عبادت کے سلسلہ میں جدوجہد فرماتے تھے۔

صحیحین کی روایت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ جب آخری عشرہ آجاتا تو نبی کریم ﷺ راتوں کو زندہ رکھتے اور اپنے اہلِ خانہ کو بیدار فرماتے اور عبادت میں کوشش کرتے اور حد درجہ مستعد ہوجاتے تھے۔

جمہورامت کے دلائل

ابوبکر بن ابی شیبہؒ نے ''مصنّف'' (ج/۱،ص/ ۳۸۳ ۴، ج/ ۲،ص/ ۳۹۴) میں اور عبد بن حمیدؒ نے اپنے ''مسند'' میں اور بغویؒ نے اپنے ''معجم'' میں اور طبرانیؒ نے ''معجم کبیر'' اور بیہقیؒ نے ''سنن کبریٰ'' میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رمضان میں بیس (۲۰) رکعتیں اور وتر پڑھتے تھے۔

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے رمضان المبارک میں رات کو تراویح پڑھانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ: لوگ دن میں روزہ تو رکھ لیتے ہیں؛ مگر قرآن (یاد نہ ہونے کی وجہ سے) تراویح نہیں پڑھ سکتے؛ اِس لیے ان لوگوں کو رات میں تراویح پڑھاؤ، حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یاامیرالمؤمنین! یہ ایسی چیز کا حکم ہے جس پر عمل نہیں ہے (یعنی باجماعت تراویح)، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مَیں جانتا ہوں؛ لیکن یہی بہتر ہے، تو انھوں نے بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھائی۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں رمضان المبارک کے مہینہ میں حضرات صحابۂ کرامؓ اور تابعینؒ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں شدتِ قیام یعنی طولِ قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں پر ٹیک لگایا کرتے تھے۔ (سنن بیہقی:۲۴۰۱)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَـالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ فَصَلَّى النَّاسُ أَرْبَعَةَ وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَأَوْتَرَ بِثَلَاثَةٍ.

(تاریخ جرجان لحافظ حمزہ بن یوسف السہمی: ص/ ۱۴۲، مطبوعہ دارالکتاب العلمیہ بیروت۔ حوالہ: حضرت مولانا الیاس گھمن صاحب کے بیس دلائل)

عَنْ زَیْدِ بْنِ وَهَبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُصَلِّيْ بِنَا فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَيَنْصَرِفُ وَعَلَيْهِ كَانَ يُصَلِّيْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ.

(قیام اللیل للمروزی: ص/۱۵۷۔حوالہ: حضرت الیاس گھمن صاحب کے بیس دلائل)

عَنْ شَتِيْرِ بْنِ شَكْلٍ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرُ. (قیام اللیل للمروزی: ص/۲۴۵، مصنف ابن ابی شیبہ: ج/۲، ص/۲۴۵۔حوالہ: حضرت الیاس گھمن صاحب کے بیس دلائل)

إِنَّ عَلِيَّ بْنَ رَبِيْعَةَ كَانَ يُصَلِّيْ بِهِمْ فِيْ رَمَضَانَ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ. (مصنّف ابن ابی شیبہ: ج/۲، ص/۲۴۵)

عَنِ الْحَارِثِ أَنَّهُ كَانَ يَؤُمُّ النَّاسَ فِيْ رَمَضَانَ بِاللَّيْلِ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ وَيَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوْعِ.

(مصنّف ابن ابی شیبہ: ج/۲، ص/۲۴۵)

ترجمہ: حارث رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کو رمضان شریف میں بیس رکعات نماز (تراویح) اور تین وتر باجماعت پڑھاتے تھے اور (دعائے) قنوت (وتر میں) رکوع سے پہلے پڑھتے تھے۔

جیسا کہ اُوپر گزر چکا کہ روایاتِ صحیحہ مرفوعہ سے حضورِ اکرم ﷺ سے بیس (۲۰) رکعاتِ تراویح کا بالتصریح ثبوت نہیں ہے؛ لیکن بعض نسب کم درجہ روایات سے بیس رکعاتِ تراویح کی نسبت خود حضورِ اکرم ﷺ سے صراحتاً ثابت ہے اور ان روایات کو بھی بے اصل نہیں قرار دیا جاسکتا؛ بلکہ وہ فعل صحابہؓ اور اجماعِ صحابہؓ سے مؤکد ہونے کی وجہ سے درجۂ استدلال میں قوی ہوجاتی ہیں، ان روایتوں میں سے دو کو یہاں ذکر کیا جارہا ہے، پہلی روایت کو مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''مصنّف ابنِ ابی شیبہ'' اور دوسری کو بیہقیؒ کی ''سننِ کبریٰ'' کے حوالہ سے ''مرقات'' میں نقل کیا ہے۔

أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يُصَلِّيْ بِهِمْ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً سِوَى الْوِتْرِ. (مرقاۃ:۳/ ۱۹۴۔حوالہ: پانچواں محاضرہ:ص/ ۱۵۵)

ترجمہ: بے شک نبی ﷺ لوگوں کو رمضان المبارک میں وتر کے علاوہ بیس رکعات پڑھاتے تھے۔

أَنَّهُ صَلَّى بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً بِعَشْرِ تَسْلِيْمَاتٍ. (مرقات:۳/ ۱۹۴)

ترجمہ: بے شک نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو بیس رکعات دس سلاموں کے ساتھ پڑھائیں۔

اِن دونوں روایتوں کونقل کر کے مُلّا علی قاریؒ نے ابنِ حجرؒ کے واسطہ سے لکھا ہے: ''لٰكِنَّ الرِّوَايَتَانِ ضَعِيْفَتَانِ''. لیکن یہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں۔ (حوالہ سابقہ)

بیہقیؒ وغیرہ نے بھی ان کو ضعیف کہا ہے،ضعف کی بنیاد یہ ہے کہ ان دونوں کی اسناد میں ایک راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان ہیں اور وہ مجروح راوی ہیں،ان روایتوں پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ یہ صحیحین میں آئی ہوئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت: ''مَاكَانَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهِ عَلىٰ إِحْدىٰ وَعِشْرِيْنَ رَكْعَةً'' کے مخالف ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں باتوں کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''درمصنّف ابنِ ابی شیبہ وسنن بیہقی بروایت ابنِ عباسؓ وارد شدہ کہ: ''كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ رَمَضَانَ فِيْ غَيْرِ جَمَاعَةٍ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَيُوْتِرُ إِلَخْ''۔

مصنّف ابنِ ابی شیبہ اور سنن بیہقی میں ابنِ عباسؓ کی روایت سے آیا ہے کہ نبی ﷺ رمضان المبارک میں بغیر جماعت کے (بھی) بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے؛لیکن بیہقی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے، اِس بنیاد پر کہ اس حدیث کے راوی ابوبکر ابنِ ابی شیبہ کے دادا ہیں؛ حالانکہ ابوبکر ابنِ ابی شیبہ کے دادا ابوشیبہ اِس قدر ضعیف نہیں ہیں کہ اُن کی روایت مطلقاً ترک کردی جائے، ہاں اگر حدیثِ صحیح اس کے مخالف ہوتی تو البتہ ترک

کردی جاتی اور یہ بات گزر چکی ہے جس حدیث کو اس کا معارض سمجھا جاتا ہے یعنی ابوسلمہ عن عائشہؓ والی حدیث جس کا ذکر گزر چکا تو وہ درحقیقت اس کی معارض نہیں؛ اِس لیے یہ حدیث سالم رہی اور ساتھ ہی فعل صحابہؓ سے مؤید بھی ہوگئی، ثابت ہوا کہ:

(۱) یہ حدیث اِس قدر ضعیف نہیں ہے کہ ترک کردی جائے (۲) کسی حدیثِ صحیح کی معارض بھی نہیں ہے (۳) عملِ صحابہ کرامؓ سے مؤید ہے۔ حضور ﷺ کی طرف آٹھ رکعت تراویح کی نسبت ثابت نہیں ہے، حدیثِ عائشہؓ تہجد کے سلسلہ میں ہے؛ اِس لیے اس سے رکعاتِ تراویح ثابت کرنا ''چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا'' [(۱)] کے قبیل سے ہے، آٹھ رکعت کے ثبوت میں اس روایت کا بھی تذکرہ کیا جاتا ہے جو صحیح ابنِ خزیمہ اور صحیح ابنِ حبان میں ان الفاظ سے مروی ہے:

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ ثَمَانَ رَكْعَاتٍ وَأَوْتَرَ.

(بحوالہ: مرقات: ۳/ ۱۹۴، آثارالسنن: ۱/ ۵۱)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے رمضان المبارک کے مہینہ میں آٹھ رکعات پڑھائی پھر وتر پڑھائے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اِس روایت کو ذکر کرنے میں عیسیٰ ابنِ جاریہ منفرد ہیں، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان کا ذکر حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال اور حافظ ابنِ حجرؒ نے تہذیب التہذیب وغیرہ میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ امامِ فن جرح وتعدیل یحییٰ ابنِ معینؒ نے ان کی نسبت لکھا ہے: ''ليس بذٰلك'' (وہ قوی نہیں ہیں) اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ان کے پاس متعدد منکر روایتیں ہیں اور نسائی نے ان کو متروک بھی کہا ہے، باجیؒ اور عقیلیؒ نے ان کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے اور ابنِ عدیؒ نے کہا ہے کہ ان کی حدیثیں محفوظ نہیں ہیں (یعنی وہ شاذ ومنکر ہیں)۔

(۱) یعنی شیخ سعدی نے زلیخا کے سلسلہ میں کتنی اچھی بات کہی؛ حالانکہ زلیخا کے سلسلہ میں شیخ نے کچھ نہیں فرمایا۔

یہ سات حضرات ہیں جنہوں نے عیسیٰ ابنِ جاریہ پر جرح کی ہے اوران کے مقابل میں ایک صرف ابوزرعہ ہیں جنہوں نے ''لَابَأْسَ بِهٖ'' ان میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہا ہے اور دوسرے ابنِ حبانؒ جنہوں نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور اُصولِ حدیث کا قاعدہ ہے کہ جرح مفسر تعدیل پر مقدم ہوتی ہے؛ لہٰذا عیسیٰ اُصولاً مجروح قرار پائیں گے بالخصوص جبکہ عیسیٰ پر جو جرحیں کی گئی ہیں وہ بہت سخت ہیں؛ چنانچہ امام نسائیؒ اورابوداؤدؒ نے ان کو منکرالحدیث لکھاہے۔ (رکعاتِ تراویح:۲۷-۲۸)

مُلّا علی قاریؒ اس روایت کو نقل کرکے فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ عَلٰى أَنَّ التَّرَاوِيْحَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً. (مرقات المفاتیح:۱/۱۹۴)

ترجمہ: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعات ہیں۔

صاحبِ آثارالسننؒ نے امام طبرانیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

لَايَرْوِيْ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ إِلَّا بِهٰذَا الْإِسْنَادِ.

(التعلیق الحسن علیٰ آثارالسنن:۱/۵۱)

یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بجز اس سند کے کسی دوسری سند سے یہ حدیث مروی نہیں ہے۔

ان تمام تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی عیسیٰ ابنِ جاریہ مجروح ہیں۔ (۲) اجماعِ صحابہؓ اِس روایت کی تائید اور تقویت نہیں کرتا (۳) کوئی دوسرا اِس بات کا مؤید اور متابع موجود نہیں ہے، ان وجوہات کی بنا پر یہ روایت پایۂ استدلال سے ساقط ہوجاتی ہے۔

گزشتہ مباحث کی روشنی میں یہ ناقابلِ انکار حقیقت واضح ہوگئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دَورِ مبارک سے بیس رکعات تراویح پر اجماع ہوگیا ہے۔

اَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيْ عَنْ أَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ

اللهُ عَنْهُ قَالَ: وَدَعِيَ الْقُرَّاءَ فِيْ رَمَضَانَ فَأَمَرَ مِنْهُمْ رَجُلًا يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً قَالَ وَكَانَ عَلِيٌّ يُوْتِرُ بِهِمْ وَرُوِيَ ذٰلِكَ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنْ عَلِيٍّ. (آثارالسنن:۲/۵۶)

ترجمہ: عبدالرحمٰن سلمی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے قراء کو بلوایا اوران میں سے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے (راوی کہتے ہیں)اور حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں کو وتر پڑھایا کرتے تھے اور یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوسرے طریق سے بھی مروی ہے۔

روایت بیان کر کے امام بیہقیؒ نے آخر میں یہ صراحت کردی ہے کہ یہ روایت دوسرے طریق سے بھی مروی ہے، اسی اثر سے امام ابنِ تیمیہؒ نے اِس بات پر استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ تراویح کو بعینہٖ باقی رکھا۔ (منہاج السنۃ:۱/۲۲۴) علامہ ابنِ تیمیہؒ کے اِس استدلال پر المنتقیٰ میں حافظ ذہبیؒ نے سکوت کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو المنتقیٰ:۱/۵۴۲) جو ان کے نزدیک صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

اہلِ مکہ کا بھی تعامل بیس رکعات پر تھا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: هٰكَذَا أَدْرَكْتُ بِبَلَدِنَا بِمَكَّةَ يُصَلُّوْنَ عِشْرِيْنَ. (تحفۃ الاحوذی:۲/۷۶)''مَیں نے اپنے شہر مکہ میں یوں ہی پایا کہ لوگ بیس رکعات پڑھتے تھے''۔

اب رہا عراق (کوفہ وبصرہ) تومعلوم ہو چکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے بیس پر عمل تھا اور حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ بھی بیس پڑھتے تھے۔

(ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی:۲/۷۶)

تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس مسئلہ پر اجماع کے سلسلہ میں ابنِ حجرؒ کا یہ قول مُلّا علی قاریؒ کے حوالہ سے نقل کیا جاچکا ہے کہ: أَجْمَعَ الصَّحَابَةُ عَلٰى أَنَّ التَّرَاوِيْحَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً. (مرقاۃ المفاتیح:۳/۱۹۴)''تمام صحابۂ کرامؓ کا اجماع ہے کہ تراویح کی بیس رکعات ہیں''۔

فقہ حنبلی کی کتاب ''المقنع'' میں ہے: ثُمَّ التَّرَاوِيْحُ وَهِيَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً يَقُوْمُ بِهَا فِيْ رَمَضَانَ فِيْ جَمَاعَةٍ. (المقنع: ۱/ ۱۴۳) ''پھر تراویح اور یہ بیس رکعات ہے جسے رمضان میں جماعت کے ساتھ پڑھے''۔

امام شافعیؒ بھی بیس ہی رکعات پسند فرماتے ہیں، ان کا قول ہے: وَأَحَبُّ إِلَيَّ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً. (قیام اللیل: ص/ ۹۲، بحوالہ: رکعاتِ تراویح: ص/ ۸۹) ''مجھے بیس ہی رکعات تراویح پسند ہیں''۔

امام مالکؒ کا بھی ایک قول بیس رکعات کا ہے، ابنِ رشد مالکیؒ ''بدایۃ المجتہد'' میں فرماتے ہیں: فَاخْتَارَ مَالِكٌ فِيْ أَحَدِ قَوْلَيْهِ وَأَبُوْحَنِيْفَةُ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَدَاوُدُ الْقِيَامَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً سِوَى الْوِتْرِ. (بدایۃ المجتہد: ص/ ۱۹۲، بحوالہ: پانچواں محاضرہ: ص/ ۱۶۱) ''امام مالکؒ نے اپنے ایک قول کے اعتبار سے اور امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور داؤدؒ نے وتر کے علاوہ بیس رکعات کو اختیار کیا ہے''۔

۳۶، ۴۰ اور ۲۸ رکعات کی توجیہ

اور جو امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول مشہور ہے کہ ان کے نزدیک تراویح کی چھتیس رکعتیں ہیں جیسا کہ صاحبِ بدایۃ المجتہد نقل کرتے ہیں: وَذَكَرَ ابْنُ الْقَاسِمِ عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ كَانَ يَسْتَحْسِنُ سِتًّا وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ ثَلَاثَ رَكْعَاتٍ. (بدایۃ المجتہد: ص/ ۱۹۲) ''ابن القاسمؒ نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے چھتیس رکعات تراویح پسند کرتے تھے اور وتر تین رکعت''، اسی طرح بعض سے چالیس اور بعض سے اٹھائیس رکعات منقول ہیں۔

ان سب کی توجیہ محققین نے یہ کی ہے کہ اہلِ مکہ ہر ترویحہ کے بعد سات طواف کیا کرتے تھے اور طواف کے بعد دو رکعت صلوٰۃ طواف پڑھا کرتے تھے اور آخر میں طواف نہ کر کے دعا مانگتے تھے، اس طرح یہ آٹھ رکعات زیادہ ہوگئیں اور مجازاً ان کو بھی تراویح میں

شامل کرلیا گیا، اِس طرح تعداد اٹھائیس ہوگئی، اہلِ مدینہ نے چاہا کہ کثرتِ ثواب میں اہلِ مکہ کی ہمسری حاصل کریں؛ چوں کہ وہاں طواف کی شکل تھی ہی نہیں تو اس کے بدلہ میں ہر ترویحہ کے بعد چار رکعت کا اضافہ کردیا، اسی طرح یہ مزید سولہ رکعات بھی مجازاً تراویح میں شمار کی جانے لگیں، اِس طرح رکعات چھتیس ہوگئیں اور بعض حضرات پانچویں ترویحہ کے بعد بھی چار رکعت مزید پڑھتے تھے اس بنا پر کل رکعات چالیس ہوگئیں۔

مُلّا علی قاریؒ علامہ سیوطی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں:

وَذَكَرَالسُّيُوْطِيُّ فِيْ رِسَالَتِهِ أَنْ يُّسْتَحَبَّ لِأَهْلِ الْمَدِيْنَةِ سِتًّا وَثَلَاثِيْنَ رَكْعَةً تَشَبُّهًا بِأَهْلِ مَكَّةَ حَيْثُ كَانُوْا يَطُوْفُوْنَ بَيْنَ كُلِّ تَرْوِيْحَتَيْنِ طَوَافًا وَيُصَلُّوْنَ رَكْعَتَيْهِ وَلَايَطُوْفُوْنَ بَعْدَ الْخَامِسَةِ فَأَرَادَ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ مُسَاوَاتِهِمْ فَجَعَلُوْا مَكَانَ كُلِّ طَوَافٍ أَرْبَعَ رَكْعَاتٍ. (مرقات: ۳/ ۱۹۳، بحوالہ: پانچواں محاضرہ: ص/ ۱۶۲)

''علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے کہ: اہلِ مدینہ کے لیے چھتیس رکعات بہتر ہیں اہلِ مکہ کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہوئے؛ اِس لیے کہ وہ لوگ ہر دو ترویحہ کے درمیان طواف کرتے اور طواف کی دو رکعت پڑھتے تھے اور پانچویں کے بعد طواف نہیں کرتے تھے تو اہلِ مدینہ نے ثواب میں ان کی برابری کا قصد کیا اور طواف کے بدلہ چار رکعت پڑھنے لگے''۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی اپنے فتاویٰ میں یہی توجیہ بیان فرمائی ہے۔ (ملاحظہ ہو فتاویٰ عزیزی: ج/۱، ص/ ۱۲۰)

اور جو امام مالکؒ سے گیارہ رکعات کا قول نقل کیا جاتا ہے امام مالکؒ کی طرف اُس کی نسبت ثابت نہیں ہے، مذہبِ مالکیہ کی مستند اور مشہور کتب مثلاً ''مدوّنۃ الکبریٰ''، ''بدایۃ المجتہد'' وغیرہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں، ان تمام مباحث سے یہ ثابت ہوگیا کہ:

(۱) بیس رکعات کی نسبت حضور ﷺ تک بے اصل نہیں (۲) خلفائے ثلاثہؓ، صحابہؓ

کرامؓ اور ائمہ مجتہدینؒ سب کا بیس رکعت پر اجماع ہے (۳) حضور ﷺ کی طرف آٹھ کی نسبت بے اصل ہے؛ اِس لیے آٹھ رکعات تراویح کا دعویٰ کرنا سنتِ رسول اللہ ﷺ، سنتِ خلفاءِ راشدینؓ اور اجماع کی مخالف اور دلائلِ شرعیہ کو پامال کرنا ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ

مسئلہ تراویح پر ایک اُصولی گفتگو

مشہور حدیث: ''مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ''. (متفق علیہ، مشکوٰۃ: ج ر ۱، ص ر ۱۷۳) ''جس نے رمضان المبارک میں ایمان اور احتساب کے ساتھ نمازیں ادا کیں تو اُس کے تمام گزشتہ گناہ معاف کردیے جائیں گے''۔

اور اِس سے قبل جو حدیثیں حضور ﷺ کی نمازوں کی کثرت کے معاملہ میں بیان کی گئیں اُن سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ رمضان المبارک میں حضور ﷺ کی نمازیں بہت زیادہ ہوا کرتی تھیں جیسا کہ غیر مقلدین کے متفق علیہ عالم نواب صدیق صاحبؒ نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے۔ حضور ﷺ کی آٹھ رکعات تراویح کے سلسلہ میں جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کی جاتی ہے اگر وہ ثابت بھی ہوجائے تو زیادہ سے زیادہ وہ ایک رات کا واقعہ ہے جیسا کہ خود حدیث کے لفظ ''صَلّٰی بِنَا'' سے اس کی صراحت ہوتی ہے جبکہ یہ بات محقق ہے کہ تراویح باجماعت حضور ﷺ نے کم از کم تین دن یقیناً پڑھائی ہے، اس کے برخلاف بیس رکعت پڑھانے کے سلسلہ میں مصنّف ابنِ ابی شیبہ کے حوالہ سے جو روایت نقل کی گئی ہے اُس کے الفاظ ہیں: ''كَانَ يُصَلِّيْ بِنَا'' ان الفاظ سے صراحت ہوتی ہے کہ یہ عمل کم از کم صرف ایک دن کا نہیں تھا؛ بلکہ کئی دن ہوا۔

الحاصل رمضان المبارک میں عبادت کے سلسلہ میں آئی ہوئی صحیح اور متواتر احادیث نمازوں کی کثرت کی شہادت دیتی ہیں اور آٹھ رکعت والی حدیث سے یہ معاملہ صرف ایک رات کا ثابت ہوتا ہے جبکہ بیس رکعات والی حدیث اِس کثرتِ صلوٰۃ کی تائید کے ساتھ ساتھ اس کے تسلسل پر دلالت کرتی ہیں پھر مزید برآں حضرت عمر رضی اللہ عنہ

کے با قاعدہ اجراء کی وجہ سے وہ سنت خلفاء میں بھی داخل ہوگئی ہے جو اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک ایک مستقل دلیلِ شرعی ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کے ارشادِ گرامی ''عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الخ'' میں ''سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ'' کا ''سُنَّتِيْ'' پر عطف ہے اور قواعدِ نحویہ کی رُو سے اصل عطف میں مغایرت ہے کہ معطوف علیہ کا غیر ہونا چاہیے۔

(ملاحظہ ہو مکتوب حضرت نانوتویؒ مندرجہ مندرجہ لطائف قاسمی: ص ر ۱۰ و مکتوب حضرت گنگوہی: ص ر ۱۵، بحوالہ پانچواں محاضرہ: ۱۶۴)

تو ثابت ہوا کہ جس طرح سنتِ رسول اللہ ﷺ دلیل اور واجب العمل ہے اِسی طرح سنتِ خلفاءؓ بھی مستقل دلیل اور واجب العمل ہے، غیر مقلد حضرات کو اگر سنتِ خلفاءؓ کا دلیل ہونا تسلیم نہیں ہے تو انہیں اپنے محقق اور مقتداء عالم نواب صدیق حسن صاحبؒ کی اِس تحقیق کو تسلیم کرنا چاہیے، نواب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

إِنَّ مَاسَنَّهُ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُوْنَ مِنْ بَعْدِهِ فَالْأَخْذُ بِهِ لَيْسَ إِلَّا لِأمره صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْأَخْذِ بِهِ وَالْإِقْتِدَاءُ بِمَافَعَلُوْهُ هُوَ لِأَمْرِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنَا بِالْعَمَلِ بِسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ. (الدین الخالص: ۲ ر ۴۳۵، بحوالہ الکلام المقتدی: ص ر ۸۷)

''آنحضرت ﷺ کے بعد جو اُمور حضراتِ خلفائے راشدین نے جاری کیے ہیں اُن کی اُن اُمور میں پیری اور اقتداء صرف اِسی لیے ہے کہ حضور ﷺ نے ہی ہمیں خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی کا حکم دیا''۔

نواب صاحبؒ تسلیم کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے بعد خلفاءِ راشدین جو سنت جاری کریں حضور ﷺ نے ان کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، تو تراویح کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو سنت جاری فرمائی اُسے اختیار کرنا چاہیے، بالخصوص جبکہ جمہور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اجماع بھی اس کی موافقت کرتا ہے۔

تراویح اور تہجد دونوں الگ الگ نمازیں ہیں

قیام اللیل اور صلوٰۃ اللیل یہ دونوں عام لفظ ہیں جن کے تحت دو نمازیں آتی ہیں، ایک تراویح اور دوسری تہجد۔ اِس باب میں وارد تمام احادیث پر غور کرنے سے یہ فرق بخوبی واضح ہوتا ہے؛ چنانچہ علمائے محققین نے ان دونوں کے مابین فرق کی صراحت کی ہے، علامہ ابنِ قدامہ مالکیؒ ''المقنع'' میں لکھتے ہیں:

ثُمَّ التَّرَاوِيْحُ وَهِيَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً يَقُوْمُ بِهَا فِيْ رَمَضَانَ فِيْ جَمَاعَاتٍ وَيُوْتِرُ بَعْدَهَا فِي الْجَمَاعَةِ فَإِنْ كَانَ لَهُ تَهَجُّدٌ جَعَلَ الْوِتْرَبَعْدُ. (المقنع:۱۸۷-۱۸۸، بحوالہ: پانچواں محاضرہ:۱۴۲)

''پھر تراویح ہے اور اس کی بیس رکعتیں ہیں جنہیں رمضان میں باجماعت ادا کرے اور اس کے بعد وتر باجماعت ادا کرے اور اگر وہ تہجد کا عادی ہو تو وتر تہجد کے بعد ادا کرے''۔

اِس عبارت سے صاف واضح ہے کہ تراویح اور تہجد دونوں الگ الگ ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنے فتاویٰ (فتاویٰ عزیزیہ: ص/۱۱۹-۱۲۰) میں، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے رسالہ تراویح (مندرجہ تالیفاتِ رشیدیہ: ص/۳۰۶) میں اور حضرت نانوتویؒ نے اپنے مکتوبات (لطائفِ قاسمی: ص/۷) میں ان دونوں کے فرق کو بدلائل واضح کیا ہے۔

تراویح کا ثبوت

عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةً مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ، فَصَلّٰى فِي الْمَسْجِدِ، وَصَلّٰى رِجَالٌ بِصَلَاتِهِ، فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوْا،

فَاجْتَمَعَ أَكْثَرُ مِنْهُمْ، فَصَلَّوْا مَعَهُ، فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوْا، فَكَثُرَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ، فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى، فَصَلَّوْا بِصَلَاتِهِ، فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الرَّابِعَةُ عَجَزَ الْمَسْجِدُ عَنْ أَهْلِهِ، حَتّٰى خَرَجَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ، فَلَمَّا قَضَى الْفَجْرَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ، فَتَشَهَّدَ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ، وَلٰكِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ تُفْتَرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوْا عَنْهَا فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ. (صحیح بخاری:۱/۲۶۹،صحیح مسلم:۱/۳۵۹)

''حضرت عروہؒ روایت کرتے ہیں کہ انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ وسطِ شب میں باہر تشریف لائے اور مسجد میں نماز ادا فرمائی اور بہت سے لوگوں نے آپ ﷺ کی نماز کی اقتداء کی، لوگوں نے صبح دوسرے لوگوں سے اس کا تذکرہ کیا، تو دوسری رات اس سے بھی زیادہ لوگ جمع ہوئے، آپ ﷺ نے نماز پڑھی اور ان لوگوں نے آپ ﷺ کی اقتداء کی صبح پھر ان لوگوں نے تذکرہ کیا تو تیسری رات اہلِ مسجد اور زیادہ ہوگئے، حضور ﷺ باہر تشریف لائے اور نماز ادا کی، دوسروں نے آپ ﷺ کی اقتداء کی پھر چوتھی رات مسجد نمازیوں کی کثرت سے تنگ ہوگئی، یہاں تک کہ حضور ﷺ صبح کی نماز کے لیے تشریف لائے، فجر ادا کرکے لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر تشہد پڑھا پھر فرمایا أَمَّا بَعْدُ! بے شک تمہارا حال مجھ پر پوشیدہ نہیں تھا؛ لیکن مجھے خوف ہوا کہ وہ تم پر فرض کردی جائے اور تم اس کی بنا پر عاجز ہوجاؤ، حضور ﷺ کی وفات تک معاملہ یہی رہا''۔

اِس روایت سے پتہ چلا کہ رمضان المبارک میں تین دن نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو تراویح پڑھائی پھر لوگوں کے شوق وذوق کو دیکھ کر اس اندیشہ سے پڑھانا ترک فرمادیا کہ

کہیں فرض نہ ہوجائے کہ لوگوں کو مشقت ہوگی، آپ ﷺ نے امت پر غایتِ شفقت اور رحمت کی بنیاد پر ایسا فرمایا۔

یہاں یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ تراویح کا ثبوت حدیث مذکورہ وغیرہا سے ہجرت کے بعد ہوا اور حضور ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں اس کیفیت کے ساتھ یہ معاملہ صرف تین راتوں تک رہا جبکہ نمازِ تہجد کا ثبوت آیتِ کریمہ ﴿يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝﴾ (سورۂ مزمل) اور آیت ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ﴾ (سورۂ اسراء) سے ہجرت سے قبل ہوا تھا۔ (مزید تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو رسالہ ''تراویح'' مندرجہ تالیفات: ص/۳۰۶-۳۰۷)

خاتمہ

رکعاتِ تراویح کے سلسلہ میں اُوپر جو معروضات پیش کیے گئے اُن سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ:

(۱) عہدِ فاروقی سے لے کر اب سے کچھ پہلے تک تمام مسلمانانِ عالَم بیس یا بیس سے زائد رکعتوں کے قائل تھے اور اسی پر عمل درآمد تھا، اس پوری مدت میں اگر ایک آدھ آدمی بیس سے کم کے قائل بھی ہوئے تو اس پر کسی مسجد میں عمل ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم یا اُن کی رضامندی سے بیس رکعات کا ثبوت ایسا پختہ ہے کہ کسی مصنّف کو انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

(۳) آنحضرت ﷺ کی طرف بیس رکعت پڑھنے کی نسبت بھی بے اصل نہیں ہے، نواب صدیق حسن خان صاحبؒ کی تحقیق میں حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ رمضان میں آٹھ رکعتوں سے زیادہ پڑھتے تھے۔

(۴) بیس کی روایات پر اہلِ حدیث حضرات جو جرح وقدح کرتے ہیں اُصولِ حدیث؛ بلکہ ان کے مسلمات کے رُو سے ایک بھی صحیح نہیں ہے۔

عورتوں کا مساجد میں نماز ادا کرنا شریعت کی روشنی میں

از قلم:
محمد فضیل قریشی قاسمی

موجودہ زمانے میں مختلف انداز سے اسلامی شعائر اور تہذیب پر الگ الگ انداز سے یہ کہہ کر کیچڑ اُچھالا جاتا ہے کہ اسلام میں یہ زیادتی ہے، یہ ظلم ہے؛ حالانکہ اسلام کائنات کو پیدا کرنے والے خالق کا بھیجا ہوا مذہب ہے اور کسی چیز کا بنانے والا سب سے زیادہ اِس بات کا مستحق ہوتا ہے کہ جس کو بنایا گیا ہے اُس کے لیے طریقۂ کار اور فطرت کے مطابق مستقبل کا انتخاب کرے اور بتلائے کہ کس طرز کے مطابق زندگی گزارنا ہے، خدا تعالیٰ کی جانب سے بتلائے گئے طور طریقے فطری اور طبیعتِ سلیمہ کے عین مطابق ہوتے ہیں، باقی تمام راستے ذہنی اور فکری کج روی کی پیداوار ہوتے ہیں یا اس طرح کی سوچ وفکر سے متاثر ہونے کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ چند روز سے عورتوں کے مساجد میں دخول کے متعلق شوشل میڈیا پر گرما گرم بحث ومباحثہ کا دَور دَورہ ہے، ہر کس وناکس شریعت مطہرہ میں اپنی ذاتی رائے کو عملی جامہ پہنانے پر زور دیتا نظر آرہا ہے، پرسنل لاء کے ایک لیٹر کے سہارے اس کو موضوعِ بحث بنایا جارہا ہے؛ حالانکہ وہ حلفیہ بیان ہے جو صرف حکومت کے کارندوں کے لیے دیا گیا ہے؛ کیونکہ وہ شریعت اور اسلامی مزاج سے ناواقف ہوتے ہیں، اس کا بے جا استعمال درست نہیں ہے۔

یہ انسانی دنیا جب سے وجود میں آئی ہے اُس میں کوئی خطہ، کوئی قوم اور کوئی مذہب ایسا نہیں ملتا جس میں فواحش وبدکاری، زنا اور حرام کاری کو اچھا قرار دیا گیا ہو؛ بلکہ سارے مذاہب اس کی مذمت اور بُرائی میں متفق وہم رائے ہیں، اس وقت فتنہ وفساد اور قتل

وغارت گری کے جتنے واقعات سامنے آرہے ہیں اُن کی صحیح تحقیق کی جائے تو ان کے پیچھے اکثر شہوانی جذبات اور ناجائز جنسی تعلقات کا عمل دخل ملے گا؛ البتہ بہت سی قوموں اور اکثر مذاہب میں ان چیزوں کی ممانعت کے باوجود اس کے مقدمات اور اسباب وذرائع کو معیوب وممنوع نہیں سمجھا جاتا اور نہ ہی ان پر خاص قدغن اور بندش لگائی جاتی۔

لیکن مذہبِ اسلام چونکہ ایک کامل ومکمل نظامِ حیات اور فطرت کے مطابق قانونِ الٰہی ہے؛ اِس لیے اسلام میں جرائم ومعاصی کی حرمت کے ساتھ جرائم ومعاصی کے ان اسباب کو بھی ممنوع قرار دے دیا گیا جو بالعموم ان جرائم تک پہونچانے والے ہیں، مثلاً شراب پینے کو حرام قرار دیا گیا، تو شراب کے بنانے، بیچنے، کسی کو دینے کو بھی حرام قرار دیا، سُود کو حرام قرار دیا تو سُود سے ملتے جُلتے سارے معاملات کو بھی ناجائز اور ممنوع کر دیا گیا، شرک وبُت پرستی کو گناہِ عظیم ٹھہرایا گیا تو اِس کے اسباب وذرائع مجسمہ سازی، بُت تراشی اور صورت گری کو بھی حرام اور ان کے استعمال کو ناجائز کر دیا گیا، اسی طرح جب شریعتِ اسلامی میں زنا کو حرام کر دیا گیا تو اس کے تمام قریبی اسباب اور مقدمات پر سخت پابندی لگادی گئی؛ چنانچہ اجنبی عورت پر شہوت سے نظر ڈالنے کو آنکھوں کا زنا، اُس کی باتوں کے سُننے کو کانوں کا زنا، چُھونے کو ہاتھوں کا زنا، اس کے پاس جانے کو پیروں کا زنا احادیثِ مبارکہ میں کہا گیا ہے، یہ سارے کام زنا نہیں؛ بلکہ زنا کے اسباب ومقدمات میں سے ہیں؛ لیکن انھیں بھی حدیث پاک میں زنا سے تعبیر کیا گیا اور ان سے روکا گیا؛ نیز انہی شہوانی جرائم سے بچانے کے لیے عورتوں کے لیے پردہ کے احکام نازل ونافذ کیے گئے۔

اِس موقع پر یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ شریعتِ اسلامی کا مزاج تنگی ودشواری کے بجائے سہولت وآسانی کی جانب مائل ہے ﴿مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (دین میں تمہارے اُوپر کوئی تنگی نہیں ڈالی گئی)؛ اِس لیے فطرت سے ہم آہنگ، حکمت آمیز فیصلہ کیا گیا جو اُمور کسی معصیت کا ایسا سببِ قریب ہوں کہ عام عادت کے اعتبار سے ان کا کرنے والا اس معصیت میں ضرور مبتلا ہو جاتا ہے، ایسے قریبی اسباب کو

شریعت نے اصل معصیت کے حکم میں رکھ کر انھیں بھی ممنوع اور حرام قرار دیا۔

آنحضرت ﷺ کے عہدِ خیر میں عورتوں کا باہر نکلنا فتنہ کا ایسا سبب نہیں تھا، جس طرح موجودہ دَور میں ہے؛ چنانچہ مساجد میں ان کے داخلہ کی مخصوص شرائط کے ساتھ اجازت تھی اور انھیں مسجدوں میں داخل ہونے سے روکنے کو منع بھی کیا گیا تھا، اگرچہ اس وقت بھی ترغیب عورتوں کو اپنے گھروں میں نماز پڑھنے ہی کی دی جاتی تھی؛ چنانچہ حافظ ابنِ عبدالبر التمہید جلد ۱۱، ص ۱۹۶ پر لکھتے ہیں:

وَلَمْ يَخْتَلِفُوْا أَنَّ صَلَاةَ الْمَرْأَةِ فِيْ بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي الْمَسْجِدِ.

''اِس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں کہ عورت کی گھر میں نماز مسجد میں نماز سے افضل و بہتر ہے''۔

نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد جبکہ طبیعتوں میں تغیر اور قلبی اطمینان میں نبی علیہ السلام کی محبت و پاک وجود سے محرومی کی وجہ سے فتور پیدا ہو گیا جس کو صحابیٔ رسول حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: مَانَفَضْنَا أَيْدِيَنَا عَنْ قَبْرِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّىٰ أَنْكَرْنَا قُلُوْبَنَا. (التمہید: ج ۳، ص ۳۹۴۔ اِس روایت کو ترمذیؒ نے حضرت انسؓ کے ذریعہ شمائل میں ذکر کیا ہے) ہم نے ابھی آنحضرت ﷺ کو دفن کر کے ہاتھوں سے مٹی بھی نہیں جھاڑی تھی کہ اپنے دلوں کی بدلی ہوئی کیفیت کو محسوس کیا اور جن شرائط کے ساتھ مسجد میں حاضری کی اجازت دی گئی تھی اُن کی پابندی میں دن بدن کوتاہی بڑھتی رہی، اس تغیرِ حالات کی جانب مزاج شناسِ نبوت اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے امت کو متنبہ فرمایا ہے کہ آج کے حالات اگر رسول اللہ ﷺ دیکھتے تو عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیتے؛ اِس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے یہی فیصلہ کیا کہ اس تبدیلی کی بناء پر عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیا جائے۔

آج کے اس دَور میں کون سا مخلص مسلمان ہوگا جو یہ کہے کہ اب حالات اپنے رُخ پر آچکے ہیں، شہوانی جذبات واحساسات زمانۂ نبوت کی طرح پاک وصاف ہو چکے ہیں، درگاہوں، چرچوں، مندروں اور عاشور خانوں کا ماحول ہمارے لیے عبرت ہے، کیا مساجدِ اسلام بھی اب انہی کے رُخ پر چلیں گی؟

حالاتِ زمانہ اور گردوپیش کے واقعات سے آنکھیں بند کر کے جو لوگ عورتوں کو مسجد میں آکر نماز پڑھنے کی دعوت دے رہے ہیں، ان کا یہ رویہ مزاجِ دین سے کتنا ہم آہنگ اور خود یہ لوگ اسلامی معاشرے کے بارے میں کتنے مخلص ہیں؟ جبکہ فقہائے اسلام بیک زبان یہ کہتے ہیں کہ ایسے فسادِ زمانہ کے دَور میں عورتوں کا نمازوں کے لیے مسجد حاضر ہونا مقاصدِ شریعت اور اُصولِ سد ذرائع کے خلاف ہے، چند روز قبل کسی کا مضمون نظر سے گزرا جس میں موصوف پرسنل لاء کے لیٹر پر سہارا رکھتے ہوئے پُرزور الفاظ میں اپنی بات کو مضبوط کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اب مساجد میں عام خواتین کا داخلہ ہوجائے گا اور تمام معتبر علماء کا یہی موقف ہے، کتنی بڑی خیانت کی بات ہے جسے دیکھ کر مثال یاد آئی: ''کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا''۔ جس سلسلہ میں بات کی جارہی ہے اُس کا علم ہونا چاہیے یا اس کا علم رکھنے والوں سے مضبوط تعلق ہونا چاہیے؛ ورنہ سطحی معلومات سوائے راہِ راست سے برگشتہ کرنے کے کچھ بھی فائدہ نہیں پہونچا سکتی، جو لوگ مساجد میں خواتین کے دخول کی بات کرتے ہیں وہ بطور دلائل مندرجہ ذیل باتیں پیش کرتے ہیں۔

(۱) كُنَّ نِسَاءُ الْمُؤْمِنَاتِ يَشْهَدْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْفَجْرِ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ إِلٰى بُيُوْتِهِنَّ حِيْنَ يَقْضِينَ الصَّلَاةَ لَايَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْغَلَسِ. (بخاري)

''نمازِ فجر میں مسلمان عورتیں چادر میں لپٹی ہوئی مساجد میں آتی تھیں اور نماز پڑھ کر جاتے ہوئے اندھیرے کی وجہ سے انھیں کوئی نہیں دیکھ پاتا''۔

(۲) لَاتَمْنَعُوْا إِمَاءَ اللهِ مَسَاجِدَ اللهِ، بُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَهُنَّ.

''عورتوں کو مساجد میں جانے سے نہ روکو اور ان کے گھر ان کے حق میں زیادہ بہتر ہیں''۔

(۳) کوئی نیک جوڑا بازار میں نماز کے وقت پہونچ جائے تو مرد کے لیے مسجد میں نماز کی گنجائش ہوتی ہے جبکہ عورت اس سے محروم رہتی ہے۔

(۴) بازاروں اور تعلیم گاہوں میں جب جانے کی اجازت ہے تو مسجد میں بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہیے۔

(۵) مساجد میں ہونے والے وعظ و نصیحت اور اسلامی تعلیمات سے عورتیں محروم رہتی ہیں، اگر مساجد میں آنے کی اجازت دی جائے تو ان کا مزاج بھی دین کے موافق ہوگا اور وہ محروم نہیں رہیں گی۔

(۶) فتنہ کا اندیشہ دَورِ نبوت میں بھی تھا، منافقین عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے تھے، اگر آج بھی ایسا ہی ہے تو کیوں منع کیا جائے؟

قائلینِ دخولِ مساجد کے دلائل پر کلام

اِس بات میں کوئی کلام نہیں کہ زمانۂ نبوت میں عورتوں کا مساجد میں نماز کے لیے آنا جانا تھا؛ لیکن موضوع سے متعلق جتنے دلائل نقلی طور پر یہاں دیے گئے ہیں اُن کا خلاصہ یہی ہے کہ نبی علیہ السلام کے دَور میں عورتیں مساجد میں آیا کرتی تھیں، جماعت میں شریک ہوا کرتی تھیں اس کے تو ہم بھی قائل ہیں، ہم نے کہاں انکار کیا؟ لیکن کسی حدیث کے ذریعہ مساجد میں عورتوں کے دخول پر اصرار کرنے والے یہ ثابت کرنے سے قاصر ہیں کہ عورتوں کو جماعت میں شریک ہونے اور مساجد میں آنے کی ترغیب دی گئی ہو۔ ہم نے جہاں تک غور کیا صرف مساجد میں عورتیں آتی تھیں، یہ مضمون مل سکا؛ لیکن کوئی نص مساجد میں آنے کی فضیلت اور اہمیت کو بتلاتی نظر نہیں آئی، اس کے برخلاف عورتوں کے لیے گھر میں نماز پڑھنے کو مسجد کے مقابلے میں بہتر اور افضل قرار دیا گیا ہے، اب کون ایسا شخص ہوگا جس کو بہتر اور

غیر بہتر کا اختیار دیا جائے اور وہ غیر بہتر کو پسند کرے یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے؛ نیز حدیث پاک میں جو یہ کہا جارہا ہے کہ اللہ کی بندیوں کو مسجد میں جانے سے مت روکو، اس سے تو صاف سمجھ میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کے دَور میں بھی اس کو پسند نہیں کیا جاتا تھا، تب ہی تو روکنے سے منع کیا گیا پھر بعد میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اگر آج کے حالات نبی علیہ السلام دیکھتے تو عورتوں کو مسجد میں آنے نہ دیتے؛ مسجد میں جماعت میں شرکت نہ کرنے والے مَردوں کے سلسلے میں سخت وعید ارشاد فرماتے ہوئے آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا کہ: میرا جی چاہتا ہے کہ گھروں کو آگ لگادوں، اگر بچوں اور عورتوں کا خیال نہ ہوتا تو ایسا کرتا۔ اس وقت بھی سوچنے کی ضرورت ہے کہ جماعت کے وقت عورتیں مسجد میں ہوتیں تو آپ علیہ السلام ایسا کیوں کہتے؟ اِس سے معلوم ہوا کہ اس وقت بھی جماعت میں شرکت کا مکلف عورتوں کو نہیں بنایا گیا تھا؛ بلکہ گھروں میں ہی ادائیگی کو بہتر قرار دیا گیا۔

رہی بات دلیلِ عقلی کے ذریعہ جو کہی گئی ہے کہ کوئی نیک جوڑا جو نماز کے وقت نماز ادا کرنا چاہے تو مرد کے لیے جگہ ہے عورت کے لیے نہیں ہے، تو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ دشواری اُس جگہ ہے جہاں وقت کے ختم ہونے سے پہلے گھر نہ پہونچ سکتے ہوں، اگر مرد مسجد میں نماز ادا کرے تو عورت گھر میں ادا کرسکتی ہے؛ لیکن بڑے شہر جہاں گھنٹے دو گھنٹے میں گھر تک نہ پہونچ سکتے ہوں یا کسی شاہ راہ پر ہوں تو ایسی جگہ علماء خود اِس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ خواتین کے لیے ایک علاحدہ حصہ رکھا جائے؛ لیکن یہ ضرورت ہے اور ضرورت بقدرِ ضرورت ہی ہوتی ہے جیسے کسی ڈاکٹر کے یہاں بغرض علاج ضرورت کے تحت اگر کچھ حصہ دکھلانے کی اجازت دے دی جائے تو کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ عورت کو اس طرح کی ہر وقت شریعت نے اجازت دی ہے کہ وہ اپنے اعضاء ظاہر کرے؛ بلکہ ہرگز نہیں یہ معاملہ بھی اسی طرح ہے۔

عقلی دلیل میں یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ بازاروں اور تعلیم گاہوں میں جانے کی اجازت ہے تو مساجد میں بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہیے، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر عورت بغیر کسی ضرورت کے گھر سے نکل رہی ہے تو شریعت میں اجازت نہیں ہے، بازار سے ضروریات

خریدنے کے لیے اور تعلیم کے لیے اسکول اور دیگر اِداروں میں جانے کی بغرض ضرورت اور بقدرِ ضرورت اجازت ہے؛ اِس لیے کہ نہ گھر بیٹھ کر اپنی ضروریات عورتیں خرید سکتی ہیں، نہ تعلیم گاہوں میں پہونچے بغیر علم حاصل کرسکتی ہیں یہ بھی اس وقت ہے جبکہ اُس کے ناموس کی حفاظت کے ساتھ ہو؛ ورنہ تو اس کے برخلاف مساجد میں نماز کا بدل گھر میں نماز موجود ہے اور بہتر قرار دیا گیا؛ لہٰذا ضرورت کو معمول پر قیاس کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے۔

مساجد میں ہونے والے وعظ اور تعلیم سے عورتیں محروم رہتی ہیں؟ اس محرومی سے بچانے کی آسان شکل مسجد سے قریب یا محلّہ میں کہیں اسپیکر لگوایا جائے؛ تاکہ عورتیں مَردوں سے اختلاط کے بغیر اس سے استفادہ کرسکیں۔

فتنہ کا اندیشہ دَورِ نبوت میں بھی تھا، اب بھی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک سچی اور بدیہی بات ہے کہ زمانۂ نبوت سب سے بہتر ہے جس کے فتنوں سے محفوظ ہونے کی گواہی احادیث میں دی گئی ہے اور آج کے حالات جو اس کے مقابلے میں زمین وآسمان کا فرق رکھتے ہیں، دونوں زمانوں کو ایک جیسا بتلانا زمین وآسمان کے قلابے ملانے کے مماثل ہے، یہ کہاں تک درست ہے قارئین خود فیصلہ کرسکتے ہیں۔

نیز زمانۂ نبوت میں عورتوں کو مساجد میں جانا مباح تھا اور اس اباحت سے فائدہ اُٹھانا ان کا حق تھا؛ اِس لیے اس وقت مسجد میں جانے سے عورتوں کو روکنا منع تھا؛ لیکن جب اباحت زائل ہوگئی تو عورتوں کا وہ حق بھی ختم ہوگیا جو زمانۂ نبوت میں دیا گیا تھا، اب ذیل میں وہ احادیث ذکر کی جارہی ہیں جن میں عورتوں کے لیے گھروں میں نماز کی تاکید کی گئی ہے:

(۱) عَنْ أُمِّ سَلْمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: خَيْرُ مَسَاجِدِ النِّسَاءِ قَعْرُ بُيُوْتِهِنَّ. (رواه البيهقي)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورتوں کے لیے بہترین مسجد اُن کی کوٹھریوں کا اندرونی مکان ہے''۔

(۲) عَنْ أُمِّ حُمَيْدٍ اِمْرَأَةِ حُمَيْدِ السَّاعِدِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَهَا: قَدْعَلِمْتُ أَنَّكِ تُحِبِّيْنَ الصَّلَاةَ مَعِيَ وَصَلَاتُكِ فِيْ بَيْتِكِ خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِكِ فِيْ حُجْرَتِكِ وَصَلَاتُكِ فِيْ حُجْرَتِكِ خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِكِ فِيْ دَارِكِ وَصَلَاتُكِ فِيْ دَارِكِ خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِكِ فِيْ مَسْجِدِ قَوْمِكِ وَصَلَاتُكِ فِيْ مَسْجِدِ قَوْمِكِ خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِكِ فِيْ مَسْجِدِيْ. (رواه أحمد وابن حبان)

''رسول اللہ ﷺ نے ابوحمید ساعدی کی بیوی اُمّ حمید ساعدی سے فرمایا کہ: مَیں جانتا ہوں کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہو؛ لیکن وہ تمہاری نماز جو اندرونی کوٹھری میں ہو وہ بیرونی کمرے کی نماز سے افضل ہے اور بیرونی کمرہ کی نماز گھر کے صحن کی نماز سے افضل ہے اور گھر کے صحن کی نماز محلّہ کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے اور محلّہ کی مسجد کی نماز میری مسجد کی نماز سے بہتر ہے''۔

(٣) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِيْ بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِيْ حُجْرَتِهَا وَصَلَاتُهَا فِيْ مَخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِيْ بَيْتِهَا.

''حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورت کی نماز کوٹھری میں بیرونی کمرہ کی نماز سے بہتر ہے اور کوٹھری کے اندر نماز کوٹھری کی نماز سے بہتر ہے''۔

(٤) وَعَنْهُ مَاصَلَتْ امْرَأَةٌ مِنْ صَلَاتِهِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنَ أَشَدِّ مَكَانٍ فِيْ بَيْتِهَا ظُلْمَةً. (مجمع الزوائد)

''حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ عورت کی کوئی نماز تاریک کوٹھری میں پڑھی جانے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب نہیں''۔

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

لَوْأَدْرَكَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاأَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ. (بخاري شريف)

''اگر رسول اللہ ﷺ اپنے بعد والی عورتوں کی حرکات دیکھتے تو انھیں مسجد میں آنے سے منع کرتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا''۔

اِس قدر صریح روایات کے باوجود بار بار مساجد میں خواتین کے داخلے پر اصرار کیوں کیا جاتا ہے، ہم نے جب غور کیا تو ایک واقعہ یاد آیا۔

ایک شخص مجھ سے پوچھنے لگا کہ مولانا! نماز میں دل نہیں لگتا اور طبیعت بالکل مائل ہی نہیں ہوتی، تو مَیں نے بتلایا کہ اس کے لیے اہلِ دل اللہ والوں سے رابطہ کریں، وہ بہتر انداز میں آپ کو اس کا طریقہ بتلا سکتے ہیں، تو وہ شخص حامی بھر کر چلا گیا، پھر مَیں نے سوچا کہ اس آدمی کو تو پتہ تھا کہ اس سلسلہ میں مولانا سے پوچھنا چاہیے؛ لیکن ہمارے معاشرے میں کثیر تعداد ان لوگوں کی بھی ہے جو اپنی سوچ ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اسی کے ذریعہ فیصلہ صادر کرتے ہیں اور اپنا آئیڈیل مغرب کو بناتے ہیں، اگر اس طرح کی روِش پر چلنے والے کسی شخص کے ذہن میں اس طرح کا سوال پیدا ہوجائے تو وہ خود اپنی سوچ پر زور دے گا اور مغربی تہذیب پر نظر ڈالتے ہوئے اپنی سوچ کو کام میں لاکر یہ فیصلہ کرے گا کہ اہلِ مغرب ہر کام میں دل لگانے کے لیے عورتوں کا بھرپور استعمال کرتے ہیں، ہماری نماز اسی لیے خشک ہے کہ اس میں عورتوں کا وجود نہیں؛ لہٰذا جب عورتوں ہی کو مساجد میں داخل کردیا جائے تو نماز میں ایک خاص قسم کا سرور محسوس ہوگا اور وقت سے پہلے نماز کے لیے دوڑنے کو دل چاہے گا، کیوں نہ یہ روایت پرست علماء کی بات کو بے جا بتاتے ہوئے ہم اس نسخہ کو آزمائیں؛ تاکہ نماز میں دل لگے اور مکمل وقت مسجد میں گزارنا طبیعت چاہے، اس نتیجہ سے ہلکی سی مسکراہٹ میرے لبوں پر آئی اور اس طرح کی فکری کج روی سے مَیں نے اللہ کی پناہ مانگی۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْہُ

❑❖❑

احوال وکوائف جامعہ

از قلم:

مولانا فاروق صاحب مفتاحی

الحمدللہ ''**جامعہ عربیہ کاشف العلوم اودگیر**'' روز بروز ترقی کی راہ پر گامزن ہے، جامعہ میں اختتامِ سال کی مناسبت سے حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کے حکم سے ۲۱؍جنوری ۲۰۲۳ء بروز ہفتہ تعلیمی جائزہ اور امتحانِ سالانہ کے سلسلے میں ایک میٹنگ منعقد کی گئی جس میں مولانا ضیاءالحق صاحب قریشی مفتاحی نے تعلیمی کارکردگی پر اطمینان کا اظہار فرمایا اور مجلسِ تعلیمی کے باہمی اتفاقِ رائے سے امتحانِ سالانہ ۱۴۴۴ھ ۴؍شعبان المعظم تا ۹؍شعبان المعظم ہونا طے پایا ہے۔

جس میں عربی اوّل کے تمام امتحانات تحریری ہونے اور شعبۂ حفظ میں ''بہشتی ثمر''، دینیات دوم میں ''منہاج العربیہ''، ''انگلش''، ''مراٹھی'' اور ''ریاضی'' کے امتحانات بھی تحریری شکل میں لینے کا فیصلہ کیا گیا، مزید شعبۂ حفظ کے دو طالبِ علم محمد عبدالسبحان حیدرآباد کے ایک نشست میں قرآنِ کریم سنانے اور شیخ داؤد داود گیری کے حفظِ کلام پاک کی تکمیل پر اظہارِ مسرت کیا گیا، نظامتِ امتحان محمد فضیل قریشی اور حافظ محمد سفیان قریشی دونوں حضرات کے سپرد کی گئی۔

مہتمم جامعہ کے اسفار

اصلاحِ نفس اور تزکیۂ باطن کے عنوان سے اپنے معمول کے مطابق حضرت دامت برکاتہم نے جنوبِ ہند کے مختلف علاقوں کا دَورہ فرمایا جس میں بے شمار بندگانِ خدا نے اپنی پچھلی کوتاہیوں سے تائب ہوکر آئندہ شرعی حدود کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کا عزم کیا اور حضرت جانشین قطب دکن دامت برکاتہم کے دستِ مبارک پر اِس بات کا عہد کیا، ان

میں خاص طور پر مہاراشٹر، تلنگانہ، آندھرا، تامل ناڈو، کرناٹک کے علاوہ مدھیہ پردیش کی ایک بڑی تعداد شامل رہی، اس کے ساتھ ساتھ جامعہ کی مالیہ فراہمی کے سلسلہ میں حیدرآباد، نظام آباد بودھن وغیرہ کے وابستگان نے بذریعہ چاول جامعہ کا بھرپور تعاون فرمایا،جزاھم اللہ خیراً واحسن الجزاء۔

رمضان المبارک میں عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف

ان شاءاللہ رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ میں اخیر عشرہ کا اعتکاف حضرت جانشین قطب دکن دامت برکاتہم کی تربیت میں مسجد قطب دکن جامعہ عربیہ کاشف العلوم اودگیر ضلع لاتور میں ہوگا، شرکت کرنے والے احباب ومتوسلین اٹھارہ رمضان المبارک تک حضرت سیّد مسعود صاحب آلولہ یا حافظ محمد فرقان صاحب قریشی کے پاس اپنے ناموں کا اندراج کرادیں۔

9405871182 - 9503186341

❑❖❑

اپنے بچوں کی عمدہ تعلیم وتربیت کے لیے

جانشین قطبِ دکن حضرت مولانا شاہ محمد نورالحق قریشی دامت برکاتہم کے زیرِ سایہ چلنے والے ادارے **جامعہ عربیہ کاشف العلوم پیٹ دروازہ اودگیر** کا انتخاب کریں

دینیات، حفظ، عالمیت تا عربی سوم، تحفظ ختمِ نبوت ودیگر شعبہ جات میں داخلہ دلوائیں۔ جہاں پر دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم: انگلش، مراٹھی، ریاضی ودیگر علوم کے ذریعہ امت کے نونہالوں کو بہترین اخلاق کا خُوگر اور بہترین انسان بنایا جاتا ہے۔

جدید داخلے ۱۱ رشوال المکرّم سے ۱۵ رشوال المکرّم 03 مئی سے 07 مئی تک ہوں گے، رابطے کے لیے:

9045739101
7058217313 - 8421959695
8857867865